ماہنامہ
جہدِ حق

HRCP
پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

Monthly JUHD-E-HAQ - January-2019 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 26......شمارہ نمبر 1......جنوری 2019

انسانی حقوق کا عالمی منشور

70 برس

تمام انسان عزت اور حقوق کے اعتبار سے آزاد اور برابر پیدا ہوئے ہیں

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1
تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ - 2
ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلی کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3
ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4
کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جاسکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5
کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6
ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7
قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8
ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9
کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10
ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11
(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جاسکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12
کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھربار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13
(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14
(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جاسکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15
(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16
(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17
(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18
ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19
ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20
(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ - 21
(1) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22
معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23
(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جاسکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24
ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25
(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہءقدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26
(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27
(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں

دفعہ - 28
ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29
(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30
اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

فہرست

پریس ریلیزیں	3
انسانی حقوق سے متعلق فرائض	5
دنیا تو ہمارے سامنے ہے	6
پاکستان یوڈی ایچ آر کے 70 برس بعد کہاں کھڑا ہے؟	7
معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے عالمی میثاق پر عملدر آمد کا مطالبہ	9
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکز شکایات کا تجزیہ برائے سال 2018	11
2018 کے دوران انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے واقعات	13
گولی پھر چلی	14
اوکاڑہ ملٹری فارمز تنازع: 'پاک فوج نے تسلیم کرلیا کہ زمین پنجاب حکوت کی ملکیت ہے'	15
عورتیں	19
صنف کی بنیاد پر تشدد کے خلاف ایکٹیوازم کے 16 دن	17
بچے	19
سکولوں میں بچوں کو جنسی استحصال سے تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت پر زور	20
صحت/اقلیتیں	22

یوڈی ایچ آر میں خواتین کا نمایاں کردار: عاصمہ جہانگیر کے لیے اعزاز

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) یہ بتانے میں فخر محسوس کرتا ہے کہ اس کی شریک بانی عاصمہ جہانگیر کو انسانی حقوق کے اعلیٰ ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ انسانی حقوق کے میدان میں اقوام متحدہ کا یہ اعلیٰ ایوارڈ مشترکہ طور پر محترمہ عاصمہ جہانگیر، ربیکا گیونی (تنزانیہ کی خواتین کے حقوق کی کارکن)، جونیا واپکسانا (برازیل میں مقامی برادریوں کے حقوق کی کارکن) اور فرنٹ لائن ڈیفنڈرز (آئرلینڈ میں انسانی حقوق کی ایک تنظیم) کو دیا گیا۔ ایچ آر سی پی ان تمام لوگوں کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔

عاصمہ جہانگیر کی صاحبزادی، ایچ آر سی پی کونسل ممبر منیزے جہانگیر نے کل اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے نیویارک میں منعقد ہونے والے اجلاس میں اپنی والدہ کی طرف سے ایوارڈ وصول کیا۔ یہ اس انعام کے سلسلے کا دسواں ایوارڈ ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اسی سال انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے (یوڈی ایچ آر) کی 70 ویں سالگرہ بھی منائی گئی ہے۔

عاصمہ جہانگیر نے پاکستان میں قانونی امداد کے پہلے مرکز کی بنیاد رکھی اور گروی مشقت کے خلاف قانون سازی سے لے کر توہین مذہب اور جنسی زیادتی کے پیچیدہ کیسز بہادری سے لڑے اور جیتے۔ انہیں انسانی حقوق کا دفاع کرنے پر کئی مرتبہ دھمکیاں دی گئیں، ان پر سرعام حملے کیے گئے اور گھر پر نظر بند کیا گیا۔ وہ پاکستان سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی پہلی خاتون صدر منتخب ہوئیں۔ وہ ایچ آر سی پی کی شریک بانی اور پہلی چیئر پرسن بھی تھیں۔ عاصمہ جہانگیر نیماورائے عدالت، من مانی یا فوری پھانسیوں سے متعلق خصوصی رپورٹیئر، پھر مذہب یا عقیدے کی آزادی سے متعلق خصوصی رپورٹیئر اور بعد ازاں ایران میں انسانی حقوق کی صورتحال سے متعلق خصوصی رپورٹیئر کے طور پر خدمات انجام دیں۔

یہ ایوارڈ ہر پانچ سال بعد انسانی حقوق کے میدان میں نمایاں کارکردگی دکھانے کے صلے میں دیا جاتا ہے۔ یواین ہائی کمیشن برائے انسانی حقوق مِشال باچلے نے اس موقع پر کہا کہ خواتین نے ہمیشہ 'یوڈی ایچ آر کے حوالے سے مرکزی کردار ادا کیا ہے، جس سے دنیا بھر کے اربوں لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے کہ وہ انسانی حقوق کے لیے آواز اٹھائیں۔۔۔۔ ہم ان باہمت خواتین کا احترام کرتے ہیں جو ہر روز ہمارے وقار اور حقوق کا دفاع کرتی ہیں۔

اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل انتونیو گُٹرلیس نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر اور دیگر لوگوں، جن کا کام خطرناک ہے، کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ 'وہ دنیا کے تاریک حصوں میں روشنی پھیلا رہے ہیں۔ ہم ان سب کو سلام پیش کرتے ہیں۔'

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 19 دسمبر 2018]

پاکستان یوڈی ایچ آر کے 70 برس بعد کہاں کھڑا ہے؟

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی 70 ویں سالگرہ کے موقع پر انسانی حقوق کے نامور محافظ آئی اے رحمان کے پبلک لیکچر کا اہتمام کیا۔ دراب پٹیل آڈیٹوریم میں ہونیوالے اس تقریب میں طالبعلموں، وکیلوں، انسانی حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں سمیت سول سوسائٹی تنظیوں کے افراد نے شرکت کی۔

'2017 میں تیسرے یونیورسل سلسلہ وار نظرثانی میں پاکستان کی کارکردگی کا جائزہ' لیکچر کا موضوع تھا۔ کونسل برائے انسانی حقوق کی قیادت میں تمام فریق ریاستوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اقدامات کا ذکر کریں جو انہوں نے اپنے ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال میں بہتری لانے اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اپنے پر عائد ذمہ داریاں پورا کرنے کے لیے کیے ہوتے ہیں۔

ایچ آر سی پی کے لیے یہ بات تشویشناک ہے کہ پاکستان کو ملک میں انسانی حقوق کے مختلف معاملات پر دیگر ممالک سے ملنے والی سفارشات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ 2008 میں پاکستان کو 51 سفارشات موصول ہوئی تھیں جن میں سے اس نے 43 قبول اور آٹھ مسترد کی تھیں۔ 2012 میں اپنے دوسرے یو پی آر میں پاکستان کو 167 سفارشات موصول ہوئیں جن میں سے 126 قبول کیں، 34 کو 'نوٹ' کیا اور سات 'مسترد' کیں۔

یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ 2012 میں انسانی حقوق کے معاملات پر 167 سفارشات کے مقابلے میں 2017 میں تیسرے یو پی آر کے دوران پاکستان کو پیش کی جانے والی سفارشاشات کی تعداد 289 ہوگئی ہے۔ ان میں سے ہماری ریاست نے 168 کی 'حمایت' کی، 121 'نوٹ' کیں جبکہ چار کو مسترد کیا۔

'یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ تیسرے یو پی آر کے تحت جن سفارشات کو عمومی طور پر 'تسلیم' کیا گیا ان میں سے زیادہ تر کا تعلق دیگر امور کے علاوہ، اس بات سے تھا کہ غربت اور عدم مساوات میں کمی کی جائے؛ جبری گمشدگیوں کو فوجداری جرم قرار دیا جائے اور

جبری گمشدگی اور ماورائے عدالت ہلاکتوں کے تمام الزامات کی مکمل تحقیقات کی جائے؛ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ایذارسانی کے تمام مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے؛ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ تمام افراد کے لیے شفاف ٹرائل کے حق کو یقینی بنایا جائے؛ اور صحافیوں اور میڈیا کے ملازمین کے خلاف جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو حاصل سزا سے استثنا کا خاتمہ کیا جائے۔

تاہم، ایچ آر سی پی کو جس بات پر تشویش ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان نے انسانی حقوق کے بنیادی اصولوں کی 'تائید' کرنے کی بجائے انہیں 'نوٹ' کرنے کا انتخاب کیا جن میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث سکیورٹی فورسز کے خلاف تحقیقات اور قانونی کارروائیوں کی رپورٹنگ؛ خواتین اور لڑکیوں اور لسانی اور مذہبی اقلیتوں سمیت محروم طبقات کے خلاف امتیازی قوانین میں ترمیم کرنا؛ بچوں کے حقوق کا، خاص طور پر انسداد دہشت گردی کی کارروائیوں کے دوران، زیادہ موثر طریقے سے تحفظ کرنا؛ سزائے موت دینے اور بچوں کو پھانسی دینے سے اجتناب کرنا؛ مذہبی اقلیتوں کے خلاف توہین مذہب کے قوانین کے غلط استعمال اور تشدد کے استعمال کو روکنے کے لیے موثر اقدامات کرنا شامل ہے۔

'ایچ آر سی پی ریاست پر زور دیتا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق نظام ہائے کار کے ساتھ تعاون پر آمادگی کا عزم ظاہر کرے، اور یو پی آر کی ان تمام سفارشات کا من وعن اطلاق کرے جو اس نے 'نوٹ' کی ہیں یا جنہیں اس نے 'تسلیم' کیا ہے۔

2022ء تک، ملک کے انسانی حقوق کے ریکارڈ میں نمایاں بہتری دکھائی دینی چاہیئے محض ملک کی بین الاقوامی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ یہ اصول انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلامیے، جس پر پاکستان نے دستخط کر رکھے ہیں، کے تحت ریاست کی اپنے شہریوں اور رہائشیوں کے حوالے سے اخلاقیات اور ذمہ داری کا حصہ ہیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 10 دسمبر 2018]

بلوچستان سے اٹھائے جانے والوں کی گنتی کون کر رہا ہے؟

انکوائری کمیشن برائے جبری گمشدہ افراد نے رپورٹ کیا ہے کہ 30 نومبر 2018 تک اس کے پاس 2,116 حل طلب کیسز تھے، تاہم پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو فیلڈ سے ملنے والی اطلاعات پر شدید تشویش ہے جن کے مطابق اصلی تعداد بہت زیادہ ہے، اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جبری گمشدگیوں کے مسئلے کو اتنی توجہ نہیں مل رہی جتنی ملنی چاہیے۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں، ایچ آر سی پی نے کہا کہ ہم ان خاندانوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں جنہوں نے نومبر میں پہلے کوئٹہ پریس کلب کے باہر کیمپ لگائے رکھا اور پھر انہیں اپنا دھرنا جاری رکھنے کے لیے وزیر اعلی ہاؤس کی طرف منتقل ہونے پر مجبور کیا گیا۔ وہ حکومت سے اس چیز کی یقین دہانی چاہتے ہیں کہ انہیں دہری قانونی کارروائی کا حق دیا جائے گا۔

'ایچ آر سی پی کے لیے یہ چیز بہت زیادہ تشویشناک ہے کہ جبری اٹھائے گئے لوگوں کے اہل خانہ کے لیے جو صورتحال پہلے ہی ناقابل برداشت تھی، اب اس نہج تک پہنچادی گئی ہے کہ وہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ہمراہ کوئٹہ کے موسم سرما میں کھلے آسمان تلے خیمہ زن ہیں۔ ایچ آر سی پی کا کوئٹہ چیپٹر، کونسل ممبرز اور وائس چیئر باقاعدگی کے ساتھ دھرنے میں شریک ہوتے ہیں تاکہ جبری گمشدگیوں پر کمیشن کا موقف واضح ہو اور متاثرین کے خاندانوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار ہو۔

'ایچ آر سی پی کے لیے یہ امر لائق تحسین ہے کہ حکومت نے مظاہرین کے مطالبات کو سننے کا وعدہ کیا ہے، اور یہ جان کر بھی کچھ حد تک اطمینان ملا ہے کہ مظاہرین وزیر اعلی ہاؤس سے واپس چلے گئے ہیں مگر کمیشن کا ریاست سے پرزور مطالبہ ہے کہ وہ جبری گمشدگیوں کے مسئلے کو اس سے زیادہ سنجیدہ لے جتنا وہ اس وقت لے رہی ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ریاست نے متاثرین کے اہل خانہ کی پریشانی کم کرنے کے لیے کوئی ٹھوس اقدام نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دیگر صوبوں جیسے کہ خیبر پختونخوا سے انسانی حقوق کے کارکنوں کو اظہار یکجہتی کے لیے دھرنے میں شریک ہونے سے روکنے کے باعث لوگوں کی فکر اور غصے میں اضافہ ہوا ہے۔

'ایچ آر سی پی کا حکومت سے ایک بار پھر مطالبہ ہے کہ نہ صرف جبری گمشدہ لوگوں کا سراغ لگانے اور انہیں بازیاب کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں بلکہ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ لوگوں کو اٹھانے والوں کو سزا ملے؛ جبری گمشدگی جرم قرار پائے اور ملک کے عالمی فرائض اور اپنے عوام کے جانب اخلاقی ذمہ داریوں کی روشنی میں اقوام متحدہ کے متعلقہ معاہدوں کی توثیق ہو۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 24 دسمبر 2018]

صنف پر مبنی تشدد کی تمام اقسام کا خاتمہ کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے "صنف پر مبنی تشدد کے خلاف ایکٹوازم کے 16 دن" نامی اپنی مہم کے تحت ایک تھیٹر اور ڈانس پرفارمنس کا اہتمام کیا جس کا مقصد پاکستان میں خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد کے مسئلے کو اجاگر کرنا تھا۔ لاہور میں دراب پٹیل آڈیٹوریم میں منعقد ہونے والا یہ پروگرام مکھوٹے تھیٹر کی جانب سے پرفارم کیے گئے ایک کھیل "وجودِ زن"، اور آمنہ معاذ کی دو ڈانس پرفارمنسز پر مشتمل تھا۔ ایک ڈانس پرفارمنس کشور ناہید کی نظم "ہم گناہگار عورتیں" پر مبنی تھی جبکہ دوسری میں مرحومہ فہمیدہ ریاض کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ایک اوپن فورم منعقد کیا گیا جس میں ملک میں صنف پر مبنی تشدد کے انداز اور گھریلو تشدد/"غیرت" کے نام پر جرائم کی بڑھتی شرح پر بحث کی گئی۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ 'عورتوں کے جسم اور ذہن کو جائیداد تصور کرنے یا تشدد، استحصال اور بدسلوکی کا آسان ہدف سمجھنے والے پدرسری نظام اور اس نظام سے جنم لینے والی رسموں کی مہذب معاشروں میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ صنف کی بنیاد پر ہونے والے تشدد (جی بی وی) کے خلاف "ایکٹیوزم کے 16 دن" اس المناک صورت حال کی طرف ہماری توجہ دلاتے ہیں کہ لاکھوں عورتوں اور لڑکیوں کے لیے تشدد کا سامنا کرنا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے اور یہ کہ ایک مہذب معاشرے کا شہری ہونے کی حیثیت سے ہماری خاموشی ناقابل قبول جرم ہے۔ خواتین کے خلاف تشدد کی نشاندہی کرنے والے تشویشناک واقعات کے خلاف قوانین بھی موجود ہیں جو خواتین کے تحفظ کے لیے بنائے گئے ہیں۔۔۔ ایسے قوانین جو خواتین کو قانونی اور آئینی حقوق فراہم کرتے ہیں مگر وہ ان سے مکمل طور پر آگاہ نہیں ہیں۔ ایچ آر سی پی کا ریاست سے مطالبہ ہے کہ وہ انفراسٹرکچر پر بہت زیادہ وسائل صرف کرے تاکہ انتہائی غیر محفوظ اور پسماندہ خواتین ان تک رسائی حاصل کر سکیں اور ریاست کو یہ بھی چاہیے کہ وہ صنف کی بنیاد پر تشدد کے خلاف رائج انسانی حقوق کے قومی و عالمی نظام کے تحت اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کرے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ یکم دسمبر 2018]

بریگیڈیر عابد حمید کی موت: ایچ آر سی پی اور انسانی حقوق کے لیے بہت بڑا نقصان

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو بریگیڈیر (ریٹائرڈ) راؤ عابد حمید کے انتقال کا شدید دکھ ہوا ہے جو جمعہ کو لاہور میں وفات پا گئے۔ آج جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا: 'مرحوم بریگیڈیر انسانی حقوق کے مخلص کارکن تھے اور 25 سے زیادہ برسوں تک ایچ آر سی پی کی جنرل باڈی کے رکن رہے۔ کمیشن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، وہ پاکستان میں جمہوریت کی تحریک کے غیر متزلزل حامی رہے۔

ایچ آر سی پی کی شہرت میں بریگیڈیر حمید کا کردار بہت اہم تھا۔ ایچ آر سی پی نے 1995 میں فوجداری نظام میں اصلاحات لانے کی غرض سے ان کی سربراہی میں ایک منصوبے کی بنیاد رکھی جس کا مقصد قیدیوں، خاص طور پر خواتین، بچوں اور بیمار قیدیوں کی حالت میں بہتری لانا تھا۔ انہوں نے ملک میں فوجداری نظام انصاف کے مروجہ ضابطوں کو پاکستان کے آئین اور عالمی اصولوں کی مطابقت میں لانے کے لیے کئی اہم فیکٹ فائنڈنگ کیں۔ اس کے علاوہ، انہوں نے بیرونی ممالک کی جیلوں میں بند پاکستانی قیدیوں کو واپس لانے اور ان کے قانونی حقوق کے لیے کئی قانونی جنگیں لڑیں۔

'ایچ آر سی پی کے ساتھ اپنے آخری برسوں کے دوران، وہ اپنی سخت محنت کا ایک پیسہ تک لیے بغیر کمیشن کی خدمت کرتے رہے۔ انہیں ایک ہردلعزیز ساتھی اور انتہائی عاجز انسان کے طور پر یاد کیا جائے گا، تاہم ایک ایسے فرد کے طور پر بھی جو ایچ آر سی پی کے نصب العین کے ساتھ وابستہ رہا۔ ان کی موت نہ صرف ایچ آر سی پی کے لیے بلکہ پاکستان میں سول سوسائٹی اور انسانی حقوق کی تحریک کے لیے، بہت بڑا نقصان ہے۔'

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 8 دسمبر 2018]

انسانی حقوق سے متعلق فرائض

آئی۔اے۔رحمان

انسانی حقوق کے ملکی ایجنڈے پر فوری عملدرآمد کے لیے ملکی دباؤ کا سامنا کرنے کے علاوہ، ریاست پاکستان کو ان وعدوں کی بھی بروقت پاسداری بھی یقینی بنانا ہوگی جو اس نے ایک برس قبل عالمگیر سلسلہ وار جائزے (یو پی آر) کے دوران کیے تھے۔

یو پی آر ریاست کے انسانی حقوق کے ریکارڈ کی مفصل جانچ پڑتال کا موقع فراہم کرتا ہے۔ چونکہ شہریوں کو یہ جاننے کا حق ہے کہ یو پی آر پر ان کی ریاست کی کارکردگی کیا رہی ہے، اور سلسلہ وار جائزے میں اپنا حصہ بھی ڈال سکتے ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ پاکستان کی جانب سے کیے گئے وعدوں پر نظر ڈالنے سے قبل یو پی آر کی مشق کے بارے میں کچھ جان لیں۔

یو پی آر اسکیم کا اجراء یو این جنرل اسمبلی نے 2008 میں کیا تھا، جس کے نفاذ کی ذمہ داری کونسل برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی) جس نے عالمی حقوق کے نگران ادارے کے طور پر یو این انسانی حقوق کمیشن کی جگہ لی، کو سونپی گئی۔ ایچ آر سی فریق ریاست کے انسانی حقوق کے ریکارڈ کا ہر چار سے پانچ برس بعد جائزہ لیتی ہے۔ پاکستان کا 20008-2009، 2012 اور 2017 میں جائزہ لیا جا چکا ہے۔

حالیہ ترین موقع پر، ملک کے یو پی آر کے کام کی انجام دہی کے لیے تین ریاستوں کا ایک گروپ تشکیل دیا گیا؛ پاکستان نے ملکی رپورٹ پیش کی؛ اور ہائی کمشنر دفتر برائے انسانی حقوق (اوچا) نے ایک ورکنگ پیپر اور ایک خلاصہ تیار کیا۔ 14 ملکوں کی جانب سے تیار کی گئی سوالات کی ایک فہرست پہلے ہی اسلام آباد کو بھیج دی گئی تھی۔ پھر ایک سماعت کے موقع پر پاکستان نے اپنا مدعا بیان کیا جس میں 111 ملکوں نے بیانات اور سفارشات پیش کیں۔

اپنے مدعا میں، اس وقت کے وزیر خارجہ نے ایک حیران کن دعویٰ کیا کہ قومی رپورٹ سول سوسائٹی اور دانشوروں سمیت تمام فریقین کے ساتھ مفصل اور جامع مشاورت کے بعد تیار کی گئی تھی۔ انہوں نے ایک مقتدر پارلیمان، آزاد عدلیہ، آزاد میڈیا اور متحرک سول سوسائٹی کی موجودگی میں پھلتی پھولتی جمہوریت کا حوالہ دیا۔ انسانی حقوق پر دہشت گردی اور انتہا پسندی کے اثرات کا حوالہ دیتے ہوئے، انہوں نے 2014 میں دہشت گردوں کے خلاف شروع ہونے والی مہم کا ذکر کیا، پھانسیوں سے عارضی پابندی ہٹانے کی وجوہ بتائیں، وزارت انسانی حقوق اور ضلعی سطح تک انسانی حقوق کی کمیٹیوں کی تشکیل کا حوالہ دیا اور اقلیتوں کے تحفظ کے لیے کیے گئے اقدامات کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان نے انسانی حقوق کی عالمگیر اور نا قابل تقسیم حیثیت کو تسلیم کیا ہے، مگر یہ کہ اس کے لیے معاشی و سماجی حقوق بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

وزارت انسانی حقوق کے سیکرٹری نے کہا کہ خودمختار اور باوسائل قومی کمیشن برائے انسانی حقوق اور قومی کمیشن برائے حقوق نسواں قائم کیے گئے۔ انہوں نے بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام اور ہندووں اور مسیحوں کے لیے بنائے گئے خانگی قوانین کا بھی ذکر کیا۔

طویل بحث کے بعد، پاکسان کو 289 سفارشات کی گئیں تا کہ ملک میں انسانی حقوق کی صورت حال بہتر ہوسکے۔ پاکستان نے چار سفارشات مسترد کیں۔ وہ چاروں سفارشات ہندوستان نے پیش کی تھیں اور اسلام آباد کا خیال تھا کہ ان کا تعلق حساس موضوعات سے ہے۔ اس نے 174 سفارشات قبول کیں اور 111 تجاویز قلمبند کیں جس سے مراد یہ ہے کہ ان سفارشات پر غور رخوض کیا جائے گا۔

> پاکستان محض چند ایک مستقل دوستوں پر انحصار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اسے زیادہ ممالک کی نظروں میں اپنا تشخص بہتر کرنے کی اشد ضرورت ہے جنہیں یہ ثابت کر کے مطمئن کیا جاسکتا ہے کہ ہماری ریاست کے پاس اپنے شہریوں کے حقوق اور مفادات محفوظ کرنے کی صلاحیت ہے۔

پاکستانی حکام کو یہ بات پسند نہ آئی کہ زیادہ تر سفارشات سزائے موت کے خاتمے یا پھانسی پر عارضی پابندی کی بحالی، اور مذہب سے متعلق قوانین کے بارے میں تھیں، مگر ان تجاویز کا مناسب نوٹس لینا بھی ضروری ہے کیونکہ پاکستان کو اقوام عالمی میں پروقار مقام حاصل کرنا ہے۔

حیران کن طور پر، پاکستان نے ان 30 میں سے 29 سفارشات کو 'قلمبند شدہ' فہرست میں رکھا جن میں سے کئی میں عالمی معاہدوں کی توثیق کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر سزائے موت سے متعلق تحفظات کی وجوہات تو سمجھ میں آتی ہیں مگر 12 ممالک کی جانب سے جبری گمشدگیوں کے میثاق کی توثیق کی اپیل نہ ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ اذیت رسانی کے خلاف میثاق، یا عورتوں کے خلاف ہر قسم کی امتیاز کے خاتمے کے میثاق، یا معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق میثاق کے اختیاری پروٹوکول کی سفارش کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ 'قلمبند شدہ' فہرست میں ڈالے گئے کئی معاہدات کی فی الفور توثیق ہونی چاہیے۔

بعض جگہوں پر قبول کی گئی اور 'قلمبند' کی گئی سفارش کے مابین فرق بھی بہت عجیب تھا۔ مثال کے طور پر، اقلیتی گروہوں کے خلاف امتیاز کے خاتمے کے لیے "مخصوص قانون سازی اور انتظامی اقدامات" کی سفارش کو قلمبند کیا گیا جبکہ اس سے ملتی جلتی اور قدرے وسیع دو سفارشات کو قبول کیا گیا۔ اور اظہار کی آزادی، صحافیوں کو خطرات اور میڈیا سے منسلک لوگوں کے قتل سے متعلق پانچ سفارشات کو 'قلمبند شدہ' فہرست میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

ان 174 سفارشات پر عملدرآمد کی صورت حال پر نظر ڈالنا بھی ضروری ہے جو اسلام آباد نے قبول کی تھیں۔ ان میں سے بعض سفارشات جیسے کہ وزارت انسانی حقوق اور قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کو افرادی و مالیاتی وسائل سے مستحکم کرنا اور انہیں اور زیادہ خودمختاری دینا، یا اقوام متحدہ کے تمام خصوصی رپورٹیئر کو مدعو کرنا، نا قابل عذر ہیں۔

قبول کی جانے والی بعض دیگر سفارشات میں پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ:

پائیدار ترقی کے اہداف کے حصول کے لیے مناسب وسائل مختص کرے اور ان اہداف تک پہنچنے کے لیے پہلے سے زیادہ ٹھوس اقدامات کرے؛ انسانی حقوق کے محافظین کی جبری گمشدگی کی تحقیقات کرے اور ان کے حقوق پامال کرنے والوں کو سزا دے، صحافیوں اور میڈیا ورکرز کے خلاف جرائم سرزد کرنے والوں کو سزا سے تحفظ کا خاتمہ کرے؛ اور انسانی حقوق کی تعلیم و تربیت کے پروگراموں کا اہتمام کرے۔

حکومت کا یہ اقدام بہت اچھا ہوگا اگر وہ ہر چھ ماہ بعد یا اس سے قریب ترین مدت بعد قبول کی جانے والی سفارشات کے نفاذ کا جائزہ لے۔ اسے عالمی فورم پر کیے گئے وعدے عوام کے سامنے لانے کے اپنے عہد کی پاسداری بھی کرنی چاہیے۔ اگلے یو پی آر کے لیے تیاری کرنے کے دوران اسے سول سوسائٹی کی حقیقی تنظیموں اور معروف دانشوروں سے مشاورت کرنی چاہیے۔

اپنے قومی ایجنڈے سے متعلق امور جیسے معاشی بحران یا دہشت گردی وغیرہ جیسے دیگر معاملات کے تناظر میں اقوام متحدہ کے نظام ہائے کار سے مستفید ہونے کو جھٹلانا غلطی ہوگی۔ اگرچہ اسلام آباد کا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ بعض سفارشات ملکی کی کسی ایک یا دوسری قدر کے خلاف دیگر ممالک کے تعصّبات کی عکاسی کرتی ہیں، زیادہ تر سفارشات پاکستان کے عوام کے مفاد میں ہیں۔

اس کے علاوہ، پاکستان محض چند ایک مستقل دوستوں پر انحصار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اسے زیادہ ممالک کی نظروں میں اپنا تشخص بہتر کرنے کی اشد ضرورت ہے جنہیں یہ ثابت کر کے مطمئن کیا جاسکتا ہے کہ ہماری ریاست کے پاس اپنے شہریوں کے حقوق اور مفادات محفوظ کرنے کی صلاحیت ہے۔

دنیا تو ہمارے سامنے ہے

غازی صلاح الدین

پاکستان سے باہر جانے اور دنیا گھومنے کا موقع تو ملتا رہا ہے، لیکن ذہنی اور جذباتی طور پر پاکستان کو چند دنوں کے لئے بھی فراموش کر دینے کی کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ میں اپنی بات کر رہا ہوں کیونکہ میں ایک صحافی ہوں اس لئے شاید میری مجبوری ہے کہ میں موازنہ کرنے اور تبصرہ کرنے کا اپنا کھیل کھیلتا رہوں۔ ایک زمانہ تھا جب بیرونی سفر بیشتر صحافتی نوعیت کے ہی ہوتے تھے۔ اب البتہ یہ ایک خاندانی ضرورت بھی بن گئے ہیں۔ یہ میری عمر کے اور میری طرح متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے بہت سے والدین کی کہانی ہے کہ ان کی اولادوں نے سمندروں کے اس پار اپنی بستیاں بسائی ہیں اور یوں میری بیوی اور میں تین ہفتوں سے امریکہ میں بلکہ جنوبی کیلی فورنیا میں ہیں اور اب پاکستان واپسی کی تیاری ہے۔ یعنی ایک خواب سے جاگنے کا وقت آ گیا ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا یہ نیند تو بار بار ٹوٹتی بھی رہی ہے۔ ویسے اس دورے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اتنے دنوں میں نے پاکستان کے کسی چینل کی جھلک بھی نہیں دیکھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

ایک مشکل یہ ضرور رہی کہ جب پاکستانیوں سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ میرے صحافی ہونے کے حوالے سے حالات حاضرہ پر تبصرے کی ضرور فرمائش کرتے ہیں، لیکن یہ کام اس لئے آسان ہے کہ آپ ان سے ان کی رائے کا مطالبہ کریں اور اختلاف کئے بغیر انہیں سنتے رہیں۔ پاکستان کے بارے میں انتہائی ناکافی معلومات کے باوجود ہر سوال کا جواب دینے اور ہر مرض کا علاج تجویز کرنے کی صلاحیت میں نے اکثر تارکینِ وطن میں دیکھی ہے۔ ویسے یہ بھی سچ ہے کہ پاکستان کی سیاست پر گفتگو کرنا ملک میں بھی مشکل ہے اور ملک سے باہر بھی۔

ایک بات جو پاکستان سے دور جا کر ہم ایک نظر میں دیکھ لیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم کسی اور دنیا میں رہتے ہیں۔ جنوبی ایشیا، میں ہمارے پڑوسی ملک بڑی حد تک ہم جیسے ہو سکتے ہیں، لیکن ہماری سرحدیں تو چین اور ایران سے بھی ملتی ہیں۔ مشرق بعید کے دوسرے ملک بھی ہیں جن کی تبدیلی بلکہ ترقی نے دنیا کو حیران کیا ہے۔ جیسے جنوبی کوریا اور سنگاپور۔ یورپ اور امریکہ کی تو بات ہی الگ ہے۔ دنیا میں ہمارا مقام کیا ہے اس کی گواہی مختلف شعبوں میں کئے جانے والے عالمی تجزیے دیتے رہتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنی پسماندگی کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں اور جو اس کیفیت کی جانب اشارہ کرے اس کی حب الوطنی پر کئی لوگ شک بھی کرنے لگتے ہیں۔ اس تصویر کا دوسرا اور زیادہ تاریک رخ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ڈاکٹر عبدالسلام، ملالہ یوسف زئی یا عاصمہ جہانگیر اتنی بڑی دنیا میں پاکستان کی پہچان بن جائے تو اس پر فخر کرنے کی بھی ہم میں صلاحیت موجود نہیں ہے۔ ہمارے تعصب یا تنگ نظری یا قدامت پرستی کا یہ کیسا اظہار ہے کہ ہمیں سائنس کی ترقی، بچیوں کی تعلیم یا انسانی حقوق کی پاسداری کی تحریکیں بھی مغرب کی سازش دکھائی دیتی ہیں۔ انتہا پسندی اور عدم برداشت کی گود میں پلنے والی ہماری اجتماعی سوچ نئی دنیا کے اسرار و رموز سمجھنے کے قابل دکھائی نہیں دے رہی۔

> اس تصویر کا دوسرا اور زیادہ تاریک رخ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ڈاکٹر عبدالسلام، ملالہ یوسف زئی یا عاصمہ جہانگیر اتنی بڑی دنیا میں پاکستان کی پہچان بن جائے تو اس پر فخر کرنے کی بھی ہم میں صلاحیت موجود نہیں ہے۔ ہمارے تعصب یا تنگ نظری یا قدامت پرستی کا یہ کیسا اظہار ہے کہ ہمیں سائنس کی ترقی، بچیوں کی تعلیم یا انسانی حقوق کی پاسداری کی تحریکیں بھی مغرب کی سازش دکھائی دیتی ہیں۔ انتہا پسندی اور عدم برداشت کی گود میں پلنے والی ہماری اجتماعی سوچ نئی دنیا کے اسرار و رموز سمجھنے کے قابل دکھائی نہیں دے رہی۔

تو پھر اس تبدیلی کا کیا ہوگا کہ جس کا پرچم وزیر اعظم عمران خان کی موجودہ حکومت نے اٹھایا ہے؟ اس حکومت کی کارکردگی پر اس وقت میری نظر بالکل نہیں ہے۔ میں تو صرف دوسرے ملکوں سے سیکھنے کے اس کے عزم کی بات کر رہا ہوں۔ عمران خان نے کئی بار یہ کہا کہ برطانیہ میں اپنی تعلیم اور قیام کے دوران انہوں نے کیا دیکھا اور کیا سیکھا۔ اپنی سیاسی مہم میں انہوں نے سویڈن اور ناروے جیسے یورپی ملکوں کے سماجی بہبود کے نظام کی بھی تعریف کی اور اب زیادہ زور چین کی مثال کو سامنے رکھنے پر ہے۔ مطلب یہ کہ ہم چین سے سیکھیں کہ تبدیلی کیسے آتی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا کا بغور مطالعہ کریں اور اپنے زمانے کی تاریخ سے سبق سیکھیں۔ ہمارا مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم اپنے ہی ملک کی تاریخ کو سمجھنے اور اس سے سیکھنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے کئی اہم واقعات ایسے ہیں کہ جنہیں یاد رکھنے سے زیادہ ہم بھول جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے 1971 کا سانحہ۔ اور اب ہم یہ بھی نہیں کر پا رہے کہ پاکستان کا بنگلہ دیش سے ایک غیر جذباتی اور معروضی موازنہ کریں کہ کس ملک نے کس شعبے میں کتنی ترقی کی ہے۔

میں چونکہ ان دنوں امریکہ میں ہوں اور میری مصروفیات میں گھومنا پھرنا اور چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع دوسرے شہروں میں جانا بھی ہے تو دنیا کے اس اچھوتے اور سب سے مختلف ملک کے کئی مناظر میرے ذہن میں ہیں۔ ٹیکنالوجی میں ترقی نے عام زندگی کو کتنا متاثر کیا ہے اس کا تصور بھی چند سال پہلے ممکن نہ تھا۔ پھر اس طلسماتی ماحول میں ظلم اور ناانصافی سے آلودہ زندگی کے تلخ حقائق بھی کہیں پوشیدہ اور کہیں صاف ظاہر ہیں۔ اسی طرح، یورپ کی بھی اپنی ایک شناخت ہے۔ لیکن چین جدید عہد کی ایک الگ پہچان ہے۔ اب یہ سوال کہ ہم کس ملک سے کیا سیکھ سکتے ہیں، آسان نہیں ہے۔ اب دیکھئے کہ تعلیم کو پوری دنیا ترقی اور خوشحالی کی بنیاد سمجھتی ہے اور ہم نے ابھی تک پرائمری اسکول چلانا نہیں سیکھا۔ چین کے نظام میں مذہب کا کیا مقام ہے، اس کا ہمیں علم تو ہے لیکن ہم اس کا اقرار نہیں کر پاتے۔ یہ جو ایغور مسلمانوں کے بارے میں چند خبریں آئی ہیں اور خود عمران خان نے اس پر کیا تبصرہ کیا، اس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آبادی میں اضافہ ہمیں تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ کیا ہمارے نظام میں اتنی سکت ہے کہ وہ چین کے راستے پر چل کر اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرے؟ جنوبی کوریا نے اپنے مشکل دنوں میں سب سے پہلے لڑکیوں کی لازمی تعلیم پر توجہ دی تھی۔ مختصر یہ کہ دنیا تو ہمارے سامنے ہے۔ ہماری نظر میں ہے۔ ہم گھر بیٹھے بھی اسے دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ ہم ایک مسافر بن کر اس کا مشاہدہ کریں۔ دوسرے ملکوں کی فضا میں سانس لیں اور آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ منظر کیا ہے اور پس منظر کیا ہے۔ بس مشکل یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس پاکستان کا ہرا پاسپورٹ ہے تو دنیا دیکھنا بہت آسان نہیں۔

(بشکریہ: جنگ)

پاکستان یو ڈی ایچ آر کے 70 برس بعد کہاں کھڑا ہے؟

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے انسانی حقوق کے عالمی منشور کی 70 ویں سالگرہ پر لاہور میں آئی اے رحمٰن پبلک لیکچر کا اہتمام کیا جس کی ملک کے دیگر حصوں میں سکریننگ کی گئی

لاہور 10 دسمبر 2018: نامور صحافی اور انسانی حقوق کے کارکن آئی اے رحمان نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کے 2017-2018 کے عالمگیر سلسلہ وار جائزے (یو پی آر) کو عوام کے سامنے لائے اور پارلیمان میں پیش کرے، اور مزید کہا کہ یو این ایچ آر سی کی سفارشات ملک اور عوام کے مفاد میں ہیں۔

دنیا پاکستان کے خلاف سازش نہیں کر رہی۔ یو پی آر کی سفارشات اور یورپی یونین کے جی پلس سے متعلق مطالبات ملک اور اس کے عوام کی بہتری کے لیے ہیں، مسٹر رحمان نے کہا۔ انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ اگلے یو پی آر کے لیے سفارشات پر پاکستان کی کارکردگی پیش کرتے وقت تمام متعلقہ فریقین کو اعتماد میں لیا جائے۔ انہوں نے ان خیالات کا اظہار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے دفتر میں واقع ایک سیمینار میں ملک کے تیسرے یو پی آر کے دوران پاکستان کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے کیا۔ اس سیمینار کا اہتمام انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی 70 ویں سالگرہ منانے کے لیے کیا گیا تھا۔

یو پی آر کے بارے میں بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کونسل برائے انسانی حقوق کی قیادت میں، تمام رکن ریاستوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ بتائیں کہ انہوں نے انسانی حقوق کے فرائض پورا کرنے کے لیے اپنے ممالک میں کیا اقدامات کیے۔ ان کا کہنا تھا کہ 2008 میں، یو پی آر نے پاکستان میں حالات کی بہتری کے لیے 51 سفارشات پیش کیں۔ 2012 ان کی تعداد 167 تھی جبکہ 2017-18 میں یہ بڑھ کر 289 ہو گئیں۔

سول سوسائٹی کے کارکنوں، طالبعلموں، وکیلوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں اور میڈیا کے افراد سے خطاب کرتے ہوئے، مسٹر رحمان کا کہنا تھا کہ سول سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کرے کہ سفارشات کو عوام کے سامنے لایا جائے اور انہیں پارلیمان میں بھی پیش کیا جائے۔

ایچ آر سی پی کے چیر پرسن ڈاکٹر مہدی حسن نے کہا کہ ملک میں حقیقی جمہوریت کے بغیر انسانی حقوق کا تحفظ ممکن نہیں۔

اس موقع پر ایچ آر سی پی نے ایک پریس ریلیز بھی جاری کی جس میں کہا گیا کہ ایچ آر سی پی کے لیے یہ بات تشویشناک ہے کہ پاکستان کو ملک میں انسانی حقوق کے مختلف معاملات پر دیگر ممالک سے ملنے والی سفارشات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ 2008 میں پاکستان کو 51 سفارشات موصول ہوئی تھیں جن میں سے اس نے 43 قبول اور آٹھ مسترد کی تھیں۔ 2012 میں اپنے دوسرے یو پی آر میں پاکستان کو 167 سفارشات موصول ہوئیں جن میں سے 126 قبول کیں، 34 کو 'نوٹ' کیا اور سات 'مسترد' کیں۔

پشاور 14 دسمبر 2018 کو ایچ آر سی پی پشاور نے انسانی حقوق کے عالمی دن کی مناسبت سے ایک پروگرام کا انعقاد کیا جس میں ایچ آر سی پی کے ممبران کے علاوہ 25 لوگوں نے شرکت کی جن میں انسانی حقوق کے کارکن اور

دنیا پاکستان کے خلاف سازش نہیں کر رہی۔ یو پی آر کی سفارشات اور یورپی یونین کے جی پلس کے متعلق مطالبات ملک اور اس کے عوام کی بہتری کے لیے ہیں۔

سیاسی وسماجی کارکن شامل تھے۔ پروگرام میں پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال کا مختصر جائزہ لیا گیا۔ جن مسائل کی واضح نشاندہی ہوئی ان میں تعلیم، صحت، روزگار اور سب سے اہم بچوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا تذکرہ ہوا۔

کوئٹہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق بلوچستان چیپٹر کے زیر اہتمام کوئٹہ آفس میں 11 دسمبر انسانی حقوق کے عالمی دن کے مناسبت سے ایک پروگرام منعقد ہوا۔ جس میں سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں، سول سوسائٹی، صحافی، وکلاء اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے شرکت کی۔

قمر النساء:۔ انسانی حقوق کے نامور محافظ آئی اے رحمٰن نے لاہور میں پاکستان کے تیسرے یونیورسل سلسلہ وار نظر ثانی میں پاکستان کی کارکردگی کا جائزہ پیش کیا ہے۔ جس میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کونسل برائے انسانی حقوق کو 2012 میں 167 سفارشات موصول ہوئی ہیں جبکہ 2017 میں پاکستان کو 289 سفارشات موصول ہوئیں ان میں سے پاکستان نے 168 کی حمایت کی 121 نوٹ کی اور جبکہ چار کو مسترد کیا۔

راحت ملک نے کہا کہ بدقسمتی سے یہاں پر مسائل پر بات کرنا حکومت کے خلاف بات کرنا تصور ہوتا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد قانون ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں قائداعظم نے اپنی تقریر میں کہا کہ تمام لوگوں کے حقوق برابر ہیں۔ اور ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے عقیدے کے مطابق حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقائد پر عمل کریں اور اپنی عبادت گاہیں بنائیں۔ مگر ان کی وفات کے بعد اسٹیبلشمنٹ نے حکومت کو اپنی طرز پر چلانا شروع کر دیا۔ پہلے ایوب خان پھر جنرل ضیاء الحق آئے اور انہوں نے ملک کو ایک مذہبی اسٹیٹ بنا دیا۔ پھر مشرف آئے اس نے ملک کو ایک سیکیورٹی اسٹیٹ بنا دیا اور اظہار رائے کی ازادی پر پابندی لگا دی تا کہ لوگوں کو حقائق سے دور رکھا جائے۔ جب ایوب خان نے مارشل لگایا تو سب سے پہلے اس نے اخبارات پر پابندی لگائی۔ اور اخبارات کو کنٹرول کرنے کے لئے پاکستان پریس ٹرسٹ بنایا۔ تا کہ صرف حکومتی بیانات آسکیں۔ اور باقی مخالف بیانات پر سخت پابندی لگائی۔ صحافیوں پر پابندی لگائی کیونکہ انہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ میڈیا پر سب سے زیادہ پابندی ضیاء کے دور میں تھی۔ مگر جب پولیٹیکل پارٹیز کی حکومت آئی تو انہوں نے بھی میڈیا کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل نہیں کیا۔ صرف بلوچستان میں اس وقت تک 43 جرنلسٹ قتل ہوئے ہیں۔ صوبے میں لاپتہ افراد کے بازیابی کے لیے کافی عرصے سے کیمپ لگا ہوا ہے۔ مگر پھر بھی لوگ لاپتہ ہو رہے ہیں۔ قلات سے ایک شخص احتجاج کرنے کوئٹہ آرہے تھے کہ اس کے بھائی کو اٹھایا گیا ہے۔

خالد ہمایوں:۔ ایک انسان ہونے کے ناطے بولنا ہمارا بنیادی انسانی حق ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اگر بولتے ہیں تو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ میں انسانی حقوق والوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو معاشرے کی بہتری کے لیے آواز اٹھاتے ہیں۔

شمس الملک:۔ ہر شخص مسائل کی نشاندہی کرتا ہے مگر حل کوئی نہیں بتاتا۔ پاکستان اور خصوصاً بلوچستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ یہاں پر لوگوں کو اپنے پیاروں کے لیے آواز اٹھانے پر غائب کیا جاتا ہے۔ یہاں بات کرنے پر پابندی ہے۔ اگر ہماری آواز انسانی حقوق اور اخبارات والے شائع نہ کریں تو ہماری آواز دب جائے گی۔ یہاں صوبے میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ حکمرانوں نے غلط طریقے سے اظہار رائے کی آزادی پر پابندی لگائی ہے۔

فرید احمد:۔ 10 دسمبر 1948 کو انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کیا گیا جس کے شقوں میں درج ہے ہر انسان کو بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ملک خاص کر بلوچستان میں اس پر مکمل پابندی ہے۔ ان میں وہ تنگ نظر

لوگ شامل ہیں جو ملک میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔اور اسکو اپنی مرضی سے چلانا چاہتے ہیں یا لوگوں پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتے ہیں، جو مذہبی، فرقہ واریت کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔اور ایک طبقہ وہ جو جاگیردارانہ، سرمایادارانہ نظام کو قائم رکھ کر معاشرے کو اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے عوام کی آنکھ پر وہ عینک چڑھانا چاہتا ہے جس سے سب اچھا دکھائی دے اور لوگوں کے ذہن سے تخلیق اور مثبت خیال غائب ہو جائے اور ان کا اقتدار قائم رہے۔اب ضروت اس بات کی ہے۔کہ ریاست اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے انسانی حقوق کے تمام شقوں کی توثیق کرے اپنے شہریوں کی حقوق کا خیال رکھے۔

گلگت 23 دسمبر 2018 کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق گلگت بلتستان نے ایف پی اے پی ہال گلگت میں انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی 70ویں سالگرہ کے موقع پر انسانی حقوق کے رہنما آئی اے رحمان کے وڈیو لیکچر کی نمائش کا اہتمام کیا۔جس میں تقریباً 30 شرکاء نے شرکت کی۔محترم توقیر کاظمی جو کہ پیشہ کے لحاظ سے وکیل ہیں نے اس بات پر زور دیا کہ حدود آرڈیننس جیسے امتیازی قوانین کا خاتمہ ہونا چاہیے اور قومی سطح پر بننے والے قوانین کو بین الاقوامی سطح پر رائج انسانی حقوق کے قوانین سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔

محمد حسین نے کہا کہ حکومت کو چاہیے کہ ایسی پالیسیز ترتیب دیں جس سے سرکاری ملازمین میں انسانی حقوق سے متعلق حساسیت پیدا ہو۔

حقوق نسواں کی کارکن بی بی نیازیب نے کہا ہم نے رحمان صاحب کے لیکچر سے بہت کچھ سیکھا۔گلگت بلتستان میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے ایک فورم قائم کرنا چاہیے۔گلگت بلتستان میں ماحولیاتی حقوق کے بارے میں آگہی بھی بہت ضروری ہے۔

محترم عنایت ابدالی جو کہ ایک سیاسی اور سماجی کارکن ہیں انہوں نے گلگت بلتستان میں اظہار خیال پر بڑھتی ہوئی قدغنوں پر افسوس کیا۔گلگت بلتستان میں علاقے کے حقوق سے متعلق آواز اٹھانے والوں پر انسداد دہشت گردی کے تحت جھوٹے مقدمے درج کیے جاتے ہیں۔اور ان کے نام شیڈول فور کی لسٹ میں ڈالے جاتے ہیں۔دیگر شرکاء نے بھی اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کیا اور ایچ آر سی پی کی طرف سے منعقد کئے گئے آگاہی پروگرام کو سراہا۔اور اس بات پر زور دیا کہ گلگت بلتستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو روکنے کے لیے منظم جدوجہد کی ضرورت ہے۔

ملتان پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ملتان ٹاسک فورس آفس میں انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی 70ویں سالگرہ کے موقع پر انسانی حقوق کے رہنما آئی اے رحمان کے وڈیو لیکچر کی نمائش کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت کونسل ممبر HRCP نذیر احمد نے کی۔وڈیو لیکچر نمائش میں انسانی حقوق کے ممبران ، سماجی و سیاسی جماعتوں کے عہدیدران، وکلاء، صحافیوں اور طلباء نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔کونسل ممبر نذیر احمد نے وڈیو لیکچر کے بعد کہا کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کی سفارشات پر مکمل طور پر عمل کرے۔انہوں نے مزید کہا کہ یہ بات باعث تشویش ہے کہ پاکستان کو مختلف معاملات میں انسانی حقوق کے متعلق ملنے والی سفارشات میں اضافہ ہوا ہے پاکستان کو چاہیے کہ وہ اقلیتوں کے خلاف قوانین کے غلط استعمال کو روکے اور بچوں کو پھانسی کی سزا دینے سے اجتناب کرے۔آخر میں تمام شرکاء کی جانب سے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ وہ انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کی

> جبری گمشدگیوں کا سلسلہ جاری ہے اور اس جرم میں ملوث عناصر کو سزا سے تحفظ حاصل ہے۔

سفارشات کا فوری طور اطلاق کرے، غیرت کے نام پر قتل، سزائے موت اور بچوں سے متعلق اور اقلیتوں کے خلاف قوانین کے غلط استعمال کو روکے اور انسانی حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ہر شخص کو آزادی رائے کا حق دیا جائے، جبری طور پر ہونے والے گمشدہ افراد کو بازیاب کرایا جائے اور ان کے خاندان کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

تربت 16 دسمبر 2018 کو ایچ آر سی پی سپیشل ٹاسک فورس تربت مکران کے زیر اہتمام (پاکستان میں انسانی حقوق کا ارتقاء) کے موضوع پر ایک پروگرام منعقد کیا گیا جس میں 20 سے زیادہ خواتین وحضرات نے شرکت کی۔اس کے بعد آئی اے رحمان صاحب کے ایک گھنٹے سے کچھ زیادہ کا لیکچر اور چیئرمین ڈاکٹر مہدی حسن صاحب کے تقریباً 5 منٹ کے تبصرے پر مشتمل ایک وڈیو پیش کی گئی۔جسے دیکھنے اور سننے کے بعد شرکاء نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا جن میں خان محمد جان، مصطفی لچکی ایڈووکیٹ، ڈاکٹر سمی پرواز، شگراللہ یوسف، منور علی رٹہ، جمال پیر محمد اور غنی پرواز شامل تھے۔اور ساتھ ہی ساتھ عوام کے مشترکہ حقوق اور خواتین، بچوں، مذہبی اقلیتوں، قیدیوں، محنت کشوں، مہاجرین اور دیگر نچلے طبقات کے خصوصی حقوق بھی بیان کئے گئے وار ان کی روشنی میں پورے پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔ان کا کہنا تھا کہ چونکہ باقول ڈاکٹر مہدی حسن صاحب، پاکستان کے لوگ موجودہ فرسودہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظاموں اور ناگفتہ بہ حالات میں غلاموں کی مانند ہیں، لہذا انہیں اپنے پورے جائز حقوق نہیں مل رہے اور جو کچھ بھی انہیں مشکل ہی سے مل رہا ہے وہ موجودہ جدید ترین دور کے لحاظ سے بالکل ناکافی ہے۔لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک میں سب کو اپنے جائز بنیادی حقوق فراہم کئے جائیں جن میں معاشی، معاشرتی، سیاسی، ثقافتی اور دیگر حقوق شامل ہیں۔اور خصوصاً ان کی زندگی صحت، تعلیم روزگار، نظریہ، عقیدہ، اظہار خیال، دائے دئی اور نمائندگی سے متعلق حقوق کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔آخر میں شرکاء نے محکمہ تعلیم سے متعلق بلوچستان کے اس بل کی مذمت کی جس کے مطابق محکمہ تعلیم کے اساتذہ اور دیگر ملازمین کے مظاہروں پر پابندی لگائی جارہی ہے اور مظاہرے کروانے والوں کو ایک سال قید اور چھ لاکھ روپے جرمانے کی سزا دی جاسکتی ہے جبکہ مظاہرہ کرنے والوں کو چھ مہینے کی قید اور تین لاکھ روپے جرمانے کی سزا دی جاسکتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مطالبہ کیا گیا کہ اس بل کو فوری طور پر واپس لیا جائے۔شرکاء نے بلوچستان میں لوگوں کو جبری طور پر اغواء کرنے، لاپتہ کرنے اور ہلاک کرنے کے بعد ان کی لاشیں مسخ کرکے ویرانوں میں پھینکنے کے طویل سلسل کی بھی مذمت کی اور یہ سلسلہ مکمل طور پر بند کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔اور تمام لاپتہ افراد کی بازیابی اور رہائی کا بھی پرزور مطالبہ کیا۔

اسلام آباد انسانی حقوق کے اعلامیے کی 70ویں سالگرہ کی مناسبت سے ایچ آر سی اسلام آباد نے اپنے آفس میں پروگرام کا اہتمام کیا۔انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے پر جناب آئی۔اے۔رحمٰن کے دیے ہوئے لیکچر کی سکریننگ کرائی گئی۔

سابقہ سینیٹر فرحت اللہ بابر نے تیسرا سلسلہ وار جائزہ کی رپورٹ پارلیمنٹ کے سامنے رکھنے کی پیشکش کی جس میں اقوام متحدہ کی طرف سے انسانی حقوق میں بہتری کے حوالے سے سفارشات اور پاکستان کی طرف سے کیے گئے وعدے شامل ہیں۔انہوں نے کہا کہ ملک میں انسانی حقوق کی صورت حال بتدریج خراب ہو رہی ہے جس کی اہم وجہ دہشت گردی کے خلاف جنگ اور قومی سلامتی سے متعلق تحفظات ہیں۔

پناہ گزین کے حقوق کے تحفظ کے لیے ملک میں کسی قسم کی قانون سازی نہیں ہوئی۔جبری گمشدگیوں کا سلسلہ جاری ہے اور اس جرم میں ملوث افراد کو سزا سے تحفظ حاصل ہے۔حالانکہ سینیٹ میں جبری گمشدگیوں پر بننے والے کمیشن کے چیئرمین کی سربراہی میں 153 سیکیورٹی اہلکاروں کو اس جرم کا مرتکب پایا گیا تھا۔

انسانی حقوق کو سب سے بڑا خطرہ، انسانی حقوق کے تحفظ کرنے والے افراد کا ریاست اور غیر ریاستی عناصر کی طرف سے زیر عتاب آنا ہے۔نومبر 2015 میں پاکستان نے اپنا ووٹ یو این جی اے قرارداد کے خلاف استعمال کیا جو کہ انسانی حقوق کے محافظین کے تحفظ کے حوالے سے تھا۔

معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے عالمی میثاق پر عملدرآمد کا مطالبہ

لاہور 13 دسمبر 2018 کو معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے بین الاقوامی میثاق کی مناسبت سے ایک مشاورت کی گئی جس میں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے تعلق رکھنے والے افراد، طلباء، اساتذہ اور معذور افراد کے حقوق کے حوالے سے کام کرنے والے لوگوں نے شرکت کی۔

مشاورت میں کہا گیا کہ معذوری کے شکار افراد کو روزمرہ کی بنیاد پر مختلف مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تعلیم سے لے کر صحت تک ہر شعبے میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ زیادہ تر معذوری کے شکار افراد اپنے بنیادی حقوق کو جاننے سے قاصر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو معذور افراد کے حقوق کے حوالے سے قوانین بنائے نہیں گئے ہیں یا پھر موجود قوانین کے بارے میں آگاہی نہیں دی گئی۔ مختلف حکومتی شعبوں میں معذور افراد کے کوٹے کا بھی ذکر کیا گیا۔

اپنے شہریوں کو حقوق فراہم کرنا ریاست کی سب سے اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور معذوری کے شکار افراد تو ان کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہماری ریاست کو ایسے افراد کی تعداد کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہے۔ لہذا سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان کے حوالے سے اعداد و شمار اکٹھے کئے جائیں اور اس کے مطابق قوانین بنائے جائیں۔ اس کے علاوہ معذوری کے شکار افراد کی عمارتوں اور عوامی جگہوں تک رسائی آج کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس حوالے سے ضروری اقدامات اٹھانے چاہئیں۔ مشاورت میں اس بات پر زور دیا گیا کہ معذوری کے شکار افراد کے حوالے سے ''چیریٹی ماڈل'' کو مسترد کرنا چاہیے چونکہ حقوق کی فراہمی ریاست کا کام ہے لہذا ریاست ہی کو اس حوالے سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ معذوری کے شکار افراد بھی باقی شہریوں کی طرح ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ووٹ ڈالتے ہیں لہذا حقوق کی فراہمی بھی مساوی ہونی چاہیے۔

پشاور 19 دسمبر 2018 کو ایچ آر سی پی پشاور آفس نے معذوری کے شکار افراد کے حقوق سے متعلق ایک سیمینار کا انعقاد کیا جس میں معذوری کے شکار افراد، سیاسی و سماجی کارکنان، ایچ آر سی پی ممبران اور پروفیسر ڈاکٹر سرفراز خان نے شرکت کی۔ ڈاکٹر سرفراز نے زیر بحث عنوان پر جامع بات رکھی اور شرکاء کو اس حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے کہا۔ معذوری کے شکار افراد نے گرم جوشی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنے حقوق اور روز مرہ زندگی میں پیش آنے والی دشواریوں پر بھی روشنی ڈالی۔

کوئٹہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق بلوچستان چیپٹر نے "معذوری کا شکار افراد کے حقوق" کے عنوان سے 27 دسمبر کو کوئٹہ آفس میں ایک کنونشن کا انعقاد کیا جس سے خطاب کرتے ہوئے حبیب طاہر ایڈوکیٹ نے کہا کہ معذوری کے شکار افراد کے حقوق کا میثاق 13 دسمبر 2006 کو منظور ہوا جبکہ پاکستان نے 5 جولائی 2011 کو اس کی توثیق کی۔ میثاق میں کہا گیا جبکہ عالمی معذوری کا شکار افراد کو کسی بھی بنیاد پر ہونے والے امتیازی سلوک سے موثر قانونی تحفظ کا حق حاصل ہوگا۔ ریاست کو یہ بات کو یقینی بنانا ہوگی کہ معذوری کے شکار خواتین اپنے بنیادی حقوق سے مکمل طور پر لطف اندوز ہوسکیں۔ ریاست کو اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوگا کہ معذوری کے شکار بچے اپنے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں سے دوسرے بچوں کے ساتھ مساوی بنیادوں پر لطف اندوز ہوسکیں۔

> اپنے شہریوں کو حقوق فراہم کرنا ریاست کی سب سے اہم ذمہ داری ہے۔ اور معذوری کے شکار افراد تو ان حقوق کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہماری ریاست کو ایسے افراد کی تعداد کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہے۔ لہذا سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان کے حوالے سے اعداد و شمار اکٹھے کئے جائیں اور اس کے مطابق قوانین بنائے جائیں۔

ڈاکٹر خالد ہمایوں نے کہا کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں اور تمام پبلک مراکز میں ریمپس کی سہولت کو لازمی قرار دے تاکہ ان تک معذوری کے شکار افراد کی رسائی ممکن ہو سکے۔

شمس الملک مندوخیل کا کہنا تھا کہ طویل عرصے سے یہ بات میرے مشاہدے میں ہے کہ معذور کے شکار افراد کے ووٹ ڈالنے کی شرح خاصی کم ہے جبکہ ان کی جانب سے کسی سیاسی عمل میں شرکت بھی عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتی۔ 1981 میں منظور کیے گئے ایک آرڈیننس کے علاوہ اس سلسلے میں کوئی جامع قانون سازی نہیں کی گئی۔

گلگت 25 دسمبر 2018 کو گلگت میں ایف پی اے پی ہال میں ایک مشاورتی اجلاس بلایا گیا جس میں تقریباً 25 شرکا نے حصہ لیا۔ شرکاء میں شامل انسانی حقوق کے کارکنان، معذوری کے شکار افراد، وکلاء، صحافی سماجی کارکنان اور طالب علموں نے شرکت کی۔

شرکاء کا خیال تھا کہ معذوری کے شکار افراد کے لیے قانونی حیثیت میں کی جانے والی کوششیں تسلی بخش ہیں حالانکہ بہت سارے ایشوز پر مقامی انتظامیہ اور گورنمنٹ کی توجہ مبذول کروانے کی ضرورت ہے۔ مشاورتی اجلاس میں کچھ اہم نکات کی طرف نشاندہی کی گئی جو کہ انتظامی سطح پر حل ہونے والے ہیں۔

☆ معذوری کے شکار افراد سے متعلق تمام امور سماجی بہبود کے ڈیپارٹمنٹ کو منتقل کر دینا چاہیے خاص طور پر سپیشل ایجوکیشن کمپلیکس کو سوشل ویلفیئر کے زیر کنٹرول لانا چاہیے بجائے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے۔

☆ معذوری کے شکار افراد سے متعلق ایکٹ کی منظوری کے بعد لازمی ہے کہ آگہی مہم چلائی جائے تاکہ معذوری کے شکار افراد اپنے حقوق اور اس حوالے سے موجود قوانین سے باخبر ہوسکیں۔

☆ گھر سے گھر تک مہم چلائی جائے تاکہ معلومات اکٹھی کی جاسکیں اور معذوری کے شکار افراد کی تعداد بھی معلوم ہوسکے۔

☆ سماجی بہبود کے ادارے ہر ضلعے میں قائم کئے جائیں۔

☆ نابینا افراد مڈل لیول کی تعلیم حاصل کرنے سے بھی محروم ہے لہذا یہ مسئلہ بھی جلد سے جلد حل ہونا چاہیے۔

ملتان پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سپیشل ٹاسک فورس ملتان نے مورخہ 26 دسمبر 2018 کو معذوری کے شکار افراد کے حقوق پر سیمینار کا انعقاد کیا۔ سیمینار کی صدارت کونسل ممبر ایچ آر سی پی نذیر احمد نے کی۔

نذیر احمد کونسل ممبر HRCP نے کہا کہ معذوری کا شکار افراد کے حقوق کا عالمی منشور جو 13 دسمبر 2006 کو منظور ہوا تھا پاکستان نے 5 جولائی 2011 میں اس کی توثیق کی تھی۔ آرٹیکل نمبر 5 برابری اور غیر امتیازی سلوک، آرٹیکل نمبر

6معذوری کا شکار خواتین کے بنیادی حقوق کے متعلق ہے اور اسی طرح آرٹیکل نمبر 7 معذوری کے شکار بچوں کے متعلق ہے ۔آرٹیکل نمبر 13 میں درج ہے کہ معذوری کے شکار افراد کو انصاف تک رسائی کو یقینی بنایا جائے جبکہ آرٹیکل نمبر 16 میں کسی قسم کے استحصال/تشدد اور بدسلوکی کی ممانعت کی گئی ہے۔

نوشین خان بلوچ ایڈووکیٹ نے کہا کہ معذوری کے شکار افراد کے حقوق ہمارے ملکی قانون میں بھی درج ہیں۔ DGSE کی جانب سے ہمارے ملک میں سپیشل ایجوکیشن سنٹر بنائے گئے ہیں جن میں پرائمری تک مفت تعلیم کی سہولت دی جارہی ہے اور بصارت سے جو محروم طلبہ ہیں انہیں داخلہ اور ٹیوشن فیس سے استثناء دیا گیا ہے۔

شاہد محمود لودھی نے کہا کہ وفاقی حکومت کے تمام ہسپتالوں میں معذوری کے شکار افراد کو مفت علاج کی سہولت حاصل ہے مگر اکثر معذور افراد اس سے بھی استفادہ حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ جب تک معذور افراد کی رجسٹریشن نہ ہو جائے انہیں کوئی سہولت نہیں دی جاتی۔

عاصمہ خان ایڈووکیٹ نے کہا کہ گذشتہ دس سالوں سے معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے حوالے بہت تبدیلی دیکھنے کو ملی ہے اور جس کی بنیادی وجہ سماجی تنظیمیں اور لوگوں کی محنت ہے جو کہ معذور افراد کے حقوق کیلئے کام کر رہے ہیں۔

سوسائٹی فار سپیشل پرسن کے مرکزی عہدیدار سجاد حیدر نے کہا کہ ہمارا معذوری کو دیکھنے کا زاویہ نظر مختلف ہے یعنی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ معذوری ایک عارضے کا نام ہے اور اس کو علاج کی ضرورت ہے اور اس سوچ کی وجہ سے ہم لاشعوری طور پر اپنی اپنی حیثیت میں معذور کی معاشرے میں شمولیت کو روک لیتے ہیں یا اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

محترمہ زاہدہ حمید صدر سوسائٹی فار سپیشل پرسن نے کہا کہ ہمارے لئے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ رجسٹریشن کا عمل ہے جس کے لئے ہم جیسے معذوری کے شکار افراد کو کئی جگہوں پر جانا پڑتا ہے۔ ہماری حکومت سے درخواست ہے کہ اس کو یونین کونسل کی سطح پر ون ونڈو سکیم کے تحت کر دیا جائے۔ یہ عمل ہمارے لئے قدرے آسان اور بہتر ہوگا۔ دوسرا اہم مسئلہ جو ہم معذور افراد کو روازنی کی بنیاد پر درپیش آتا ہے وہ ہماری نقل وحمل کا ہے۔ ہمارے لئے ریمپ نہیں بنائے گئے کہ جس پر ہم آسانی سے آجاسکیں۔ اس طرح ہمیں کوئی آسانی سے بس یا ویگن میں بھی سوار نہیں ہونے دیتا۔

تربت 23 دسمبر 2018 کو ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران کی زیر اہتمام معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے موضوع پر ایک پروگرام منعقد ہوا جس میں خواتین اور مردوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

شرکاء نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ 13 دسمبر 2006 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے معذوری کے شکار افراد کے حقوق کا ایک عالمی معاہدہ منظور ہوا۔ جس کے بعد 5 جولائی 2011 کو پاکستان نے بھی معاہدے کی توثیق کی۔ معذوری کے شکار افراد کے عالمی منشور کے مطابق انہیں جو حقوق حاصل ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

1۔ اپنے خاندان اور معاشرے میں آزادانہ زندگی گزارنے کا حق

2۔ اپنے خاندان اور معاشرے میں آزادانہ طور پر نقل و عمل کا حق

> معذور کے شکار افراد کے ووٹ ڈالنے کی شرح خاصی کم ہے جبکہ ان کی جانب سے کسی سیاسی عمل میں شرکت بھی عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتی۔ **1981** میں منظور کیے گئے ایک آرڈیننس کے علاوہ اس سلسلے میں کوئی جامع قانون سازی نہیں کی گئی۔

3۔ اپنی معذوری کی نوعیت کے مطابق تعلیم کا حق

4۔ اپنی معذوری کی نوعیت کے مطابق علاج کا حق

5۔ اپنی معذوری کی نوعیت کے مطابق روزگار کا حق

6۔ مال وجائیداد کی خرید وفروخت کا حق

7۔ ہر قسم کے امتیازی سلوک سے تحفظ کیلئے قانونی چارہ جوئی کا حق

8۔ سماجی انصاف اور تحافظ کا حق

9۔ ہر قسم کے استحصال، تشدد اور بدسلوکی سے تحفظ کا حق

10۔ کھیل کود اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق

11۔ انتخابات میں ووٹ کا حق

12۔ رہائش کا حق

13۔ نظریے کا حق

14۔ عقیدے کا حق

15۔ کسی پسندیدہ انجمن میں شمولیت کا حق یا خود ہی انجمن سازی کا حق

پاکستان میں ان حقوق میں سے بعض حقوق تو کسی نہ کسی حد تک معذوروں کو مل رہے ہیں مگر ان میں سے بیشتر حقوق سے وہ یکسر محروم ہیں، جس کے نتیجے میں اکثر معذور لڑکیاں اور خواتین گھروں میں پڑی ہوئی ہیں۔ جبکہ اکثر معذور مرد اور لڑکے بھیک مانگنے پر مجبور ہیں، اور ان سب کا کوئی پرسانِ حال نہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان معذوروں کو بھی انسان سمجھا جائے اور انہیں صحت مند لوگوں کی طرح اپنے جائز حقوق دیئے جائیں۔

پروگرام کے آخر میں درج ذیل 5 قرار دادیں منظور کی گئیں۔

1۔ معذوری کے شکار افراد کو تمام حقوق فراہم کئے جائیں۔

2۔ انہیں معاشرے اور ریاست کی ہر سطح پر نمائندگی دی جائے

3۔ ان کے لیے مکران میں علیحدہ تعلیمی نظام قائم کیا جائے

4۔ ان کے روزگار کا بہتر بندوبست کیا جائے۔

5۔ مکران میں ان کے لیے ایک سپیشل تفریح پارک بنایا جائے۔

اسلام آباد پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے 5 جنوری کو معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے عالمی میثاق (سی آر پی ڈی) کے حوالے ایک مشاورت کا اہتمام کیا جس میں ایچ آر سی پی کی کونسل ممبر نسرین اظہر، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق سے ڈاکٹر یحیٰی حسین اور شفیق چوہدری، پوٹھوہار مینٹل ہیلتھ ایسوی ایشن کے ڈاکٹر ذوالفقار اصغر، آئی ڈی آر اے سی سے ڈاکٹر امجد نذیر، ساحل سے امتیاز سومرو، سی ڈی او پاکستان سے ڈاکٹر عالیہ سید اور پوڈا سے آفتاب عالم کے علاوہ دیگر افراد نے شرکت کی۔

محترمہ نسرین اظہر نے تقریب کی صدارت کی جبکہ مسٹر ذوالفقار اصغر نے سی آر پی ڈی پر مختصر بات چیت کی۔ شرکاء نے معذوری کے شکار افراد کو درپیش مشکلات کا مفصل جائزہ لیا اور ان کے حل کے لیے ٹھوس تجاویز پیش کیں۔ ان کا کہنا تھا کہ معذوری کے شکار افراد کو ملک کی کئی عمارتوں تک رسائی نہیں۔ ان کا مطالبہ تھا کہ تعلیمی اداروں سمیت تمام سرکاری و نجی عمارتوں کو ایسے لوگوں کے لیے قابل رسائی بنایا جائے۔ مزید کہا گیا کہ معذوری کے شکار افراد کو انتخابی عمل کا بنیادی حصہ بنایا جائے اور ان کے ووٹوں کی مکمل رجسٹریشن کی جائے۔ تمام شرکاء کی متفقہ رائے تھی کہ معذوری کے شکار لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے ذاتی سطح پر، سول سوسائٹی کی سطح پر اور حکومتی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ کہا گیا کہ ایسے لوگوں کے حقوق کے لیے کام کرنا پورے معاشرے اور ریاست کی مجموعی ذمہ داری ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان کے مسائل کے حل کے لیے مشاورتی تقاریب اور ماہرین کے اجلاسوں کی ضرورت ہے جہاں ان کے مسائل پر بات چیت ہوسکے اور ان کے حل کے لیے جامع حکمت عملی تشکیل دی جاسکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکز شکایات کا تجزیہ برائے سال 2018

یکم جنوری 2018 سے 31 دسمبر 2018 کے دوران پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکز شکایات کو کل 1464 شکایات موصول ہوئیں۔ان میں سے 395 شکایات متفرق انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق تھیں۔ پچھلے سال کی طرح اس سال بھی شکایات کی دوسری بڑی قسم خواتین کے خلاف تشدد سے متعلق تھیں۔ اس طرح کے زیادہ تر واقعات میں متاثرہ خواتین کے گھر والے بالخصوص بھائی، باپ، شوہر یا سسرال والے ملوث تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ حکومت پنجاب نے ابھی تک گھریلو تشدد کے خلاف قانون پاس نہیں کیا ہے جس کے نتیجے میں کسی بھی پولیس سٹیشن میں گھریلو تشدد کا مقدمہ درج نہیں ہوسکا۔ستم ظریفی یہ ہے کہ خواتین پر تشدد کے واقعات کا اندراج کرانے والے بھی ''مرد'' ہی تھے۔اس کی ایک بڑی وجہ شاید یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورت کی نقل و حرکت کو خاصا محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور زیادہ تر واقعات میں وہ اعلیٰ حکام تک بلاواسطہ رسائی حاصل نہیں کرسکتی، جس کی وجہ سے صورتحال مزید بگڑ جاتی ہے۔ بدقسمتی سے عورت کو اپنی آواز پہنچانے کے لیے بھی اسی جنس (مرد) پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو اس بربریت کی موجب ہے۔ بلاواسطہ شکایات کا اندراج نہ کرنے کی دوسری بڑی وجہ خواتین کی ناخواندگی ہے۔ یہاں تک کے درخواست لکھنے کے لیے بھی ان کو دوستوں یا خاندان کے مرد ممبران پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

کئی واقعات میں خواتین کا یہ کہنا تھا کہ پولیس سٹیشن میں جس درخواست پر ان کے دستخط لئے گئے وہ ان کے ایماء پر پولیس کے عہدیداروں نے لکھی تھی اور چونکہ ان کو پڑھنا نہیں آتا لہذا انہوں نے اس امید کے ساتھ کہ درخواست میں درج تمام تفصیلات درست ہوں گی اس پر دستخط کردیئے یا انگوٹھا لگایا۔لیکن کئی واقعات میں یہ بات حقائق کے برخلاف تھی۔

خواتین کے خلاف تشدد کو جواز پیش کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کئے گئے جن میں سب سے نمایاں خاندان کی عزت اور سنگین واقعات کی صورت میں توہین رسالتؐ کے الزامات شامل تھے۔ جہاں تک خواتین پر تشدد کی اقسام کا تعلق ہے تو ان کو کئی طرح کے جسمانی جذباتی یا ذہنی اور جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔شکایات کے اندراج کے حوالے سے شہری اور دیہی خواتین کے تناسب میں واضح فرق ہے۔ دیہی علاقوں میں مردوں کی نسبت خواتین کی نقل و حرکت محدود ہونے کی وجہ سے یا تو وہ اعلیٰ عہدیداروں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی یا پھر عہدیدار مجرموں کا ساتھ دے دیتے ہیں۔ زیادہ تر شکایات پنجاب سے موصول ہوئی ہیں جس کی وجہ پنجاب میں نسبتاً حقوق کی زیادہ آگہی اور اسے فورمز کی بہتر معلومات ہیں جہاں پر وہ اعلیٰ عہدیداروں کو آسانی سے رسائی حاصل کرسکتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شکایات کی ایسی اقسام جیسا کہ نجی/ پولیس زیادتی اور جائیداد/ ذاتی معاملات میں بھی خواتین کی کثیر تعداد شامل تھی۔

ماضی قریب میں خواتین کے حق میں کئی قوانین متعارف کروائے گئے لیکن کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکز شکایات نے قوانین کے خلاف تشدد کے واقعات میں کوئی کمی نہیں دیکھی ۔ بظاہر ایسا لگ رہا ہے کہ زیادہ تر خواتین اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ان قوانین سے باخبر نہیں ہیں۔عملدرآمد سے متعلق طریقہ کار اور ان قوانین کے نگران اداروں کی عدم موجودگی کی وجہ سے خواتین کے خلاف تشدد میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

شعبہ جاتی مسائل/ انصاف کی فراہمی سے متعلق مسائل کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکز شکایات کے درج کئے گئے شکایات میں تیسری بڑی قسم تھی۔ ان مسائل میں مختلف حکومتی شعبوں کی اقربا پروری، رشوت خوری اور مجرم کا ساتھ دینے جیسی غیر قانونی مداخلتیں شامل تھیں۔اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دونوں سرکاری اور غیر سرکاری ادارے زیادہ تر واقعات میں عدالتی احکامات پر عملدرآمد نہیں کرتے۔

جبری گمشدگی سے متعلق شکایات کی تعداد پچھلے سال کی نسبت تقریباً دوگنی ہوگئی ہے۔سال 2017ء میں جبری گمشدگی سے متعلقہ شکایات کی تعداد 35 تھی جو کہ اس سال بڑھ کر 64 ہوگئی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جبری گمشدگی کے زیادہ تر واقعات سندھ اور بلوچستان میں پیش آئے تھے۔

یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ رپورٹ شکایات کا ایک جامع جائزہ نہیں ہے کیونکہ اس میں کمیشن برائے انسانی حقوق کے مختلف صوبائی دفاتر اور ٹاسک فورس دفاتر میں درج کی گئی شکایات شامل نہیں ہیں۔

کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکز شکایات کو اس سال موصول ہونے والی کل 1464 شکایات میں 653 شکایات بذریعہ ڈاک موصول ہوئیں۔ ای میل کے ذریعے مصول ہونے والی شکایات کی کل تعداد 482 تھی۔ شکایات کے اندراج میں سب سے بڑا مسئلہ یہ سامنے آیا کہ شکایات درج کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد اپنا نام، پتہ اور واقعہ کی مکمل تفصیلات دینے سے قاصر رہی جس کی وجہ سے رابطے اور کارروائی کرنے کا مرحلہ متاثر ہوا۔

مرکز شکایات کی بار بار یاددہانی کے باوجود لوگ معاشی مدد کا تقاضا کرتے رہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا کردار اور اثر

کمیشن برائے انسانی حقوق کی مداخلت پر ہونے والی چند اہم پیش رفت مندرجہ ذیل ہیں۔

کمیشن برائے انسانی حقوق کو ضلع راجن پور سے تعلق رکھنے والے جگن مزاری کی درخواست موصول ہوئی کہ ایک مقامی پنچائت نے ان کی دو ڈاکٹر بیٹیوں کو پنچائت کے سربراہ کے دو ان پڑھ بیٹوں سے شادی کرانے کا فیصلہ کیا۔ اس پر کمیشن نے مداخلت کرتے ہوئے اس معاملے کو ڈی سی اور ڈی پی او راجن پور کی نظر میں لے آئے اور وزیر اعلیٰ پنجاب کو بھی ایک سمری ارسال کی جنہوں نے فوری عمل کرتے ہوئے مقامی پولیس کو حکم دیا کہ وہ جگن مزاری کو تحفظ فراہم کرے اور ملوث افراد کے خلاف قانونی کارروائی کرے۔

اس کے علاوہ کمیشن برائے انسانی حقوق اور ویمن کمپلین سیل شہید بے نظیر آباد ضلع نوابشاہ کی مشترکہ کوششوں سے نواحی علاقے میں مبنیہ ''کاری'' قرار دے کر قید کی جانے والی لڑکی شبانہ کو بازیاب کرالیا گیا۔لڑکی کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے دارالامان منتقل کیا جائے گا۔اس کے علاوہ کمیشن برائے انسانی حقوق نے مختلف قانون نافذ کرنے والے اداروں، صحت اور تعلیم کے شعبہ جات، صوبائی محکموں، کئی کمیشنوں اور فارن آفس کو سینکڑوں خطوط لکھے۔کمیشن کو امسال خاطر خواں جوابات موصول ہوئے۔

1۔رابطہ سازی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکز شکایات نے مختلف ایسے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے رابطہ سازی جاری رکھی جو شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی کے لیے کام کرتی ہیں جیسا کہ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق پنجاب، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق سندھ، قومی کمیشن برائے حقوق نسواں، سینٹر فار لیگل ایڈ اسسٹنس اینڈ سیٹلمنٹ اور وفاقی وزارت برائے انسانی حقوق، جبری گمشدگی کی تحقیقات کے کمیشن وغیرہ وغیرہ

شکایات کی اقسام

خواتین کے خلاف تشدد	ذاتی / پولیس زیادتیاں
جائیداد/ ذاتی معاملات	شعبہ جاتی مسائل/ انصاف کی فراہمی
جبری گمشدگی	مالی تعاون کی التجا
توہین رسالت	بیرون ملک پاکستانی
متفرق انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں	میرٹ کی خلاف ورزی
سائبر جرائم	مزدوروں کے حقوق
اقلیتوں کے حقوق	سیاسی پناہ کے طلبگار
خواتین کے حقوق	

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک ہی مسئلہ مندرجہ بالا دو یا دو سے زیادہ اقسام کا ہوسکتا ہے۔مثال کے طور پر اگر اقلیتی طبقے سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کی جبری گمشدگی ہوجائے تو یہ ''اقلیتوں کے حقوق'' اور جبری گمشدگی'' کے زمرے میں آجاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ متفرق انسانی حقوق کی پامالی بھی ہے۔

اسی طرح اگر زمین/ جائیداد کے معاملے پر کسی خاتون پر تشدد کیا جاتا ہے تو یہ ''خواتین کے خلاف تشدد'' اور ''جائیداد/ ذاتی معاملات'' کے زمرے میں آجاتا ہے اور اگر پولیس اس معاملے میں مجرم کا ساتھ دے دے تو یہ 'ذاتی / پولیس زیادتیوں' کا بھی معاملہ بن جاتا ہے۔

جغرافیائی تقسیم

1۔پنجاب

2۔سندھ

3۔خیبر پختونخوا
4۔بلوچستان
5۔آزاد جموں کشمیر
6۔گلگت بلتستان
7۔مرکزی دارالخلافہ (اسلام آباد)
8۔بیرون ملک پاکستانی
9۔جگہ کا ذکر موجود نہیں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ شکایات بھیجنے والے سارے لوگ اپنی شکایات پر اپنا نام اور پتہ نہیں لکھ پاتے یا وہ لکھنا بھول جاتے ہیں۔اعلیٰ عہدیداروں تک رسائی اور شرح خواندگی میں تقابلی فائدے کی وجہ سے زیادہ تر شکایات پنجاب سے موصول ہوتی ہیں۔ شکایات کے حصول کے حوالے سے سندھ دوسرے نمبر پر ہے جن میں زیادہ تر تعداد خواتین کی ہوتی ہے۔

جنسی تقسیم

کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکز شکایات کو موصول ہونے والی زیادہ تر شکایات 'مردوں' نے درج کرائی تھیں۔کل موصول ہونے والی شکایات میں سے 954 (65.2) فیصد شکایات مردوں نے درج کی تھیں۔خواتین کے درج کردہ شکایات کی تعداد اس سال خاصی بڑھ گئی ہے۔کل درج ہونے والی 1464 شکایات میں سے خواتین کی درج کردہ شکایات کی تعداد 510 (35.8 فیصد) ہے۔

جنس کی بنیاد پر تعداد میں فرق کی بڑی وجہ ہمارے معاشرے میں مردوں کا اعلیٰ حکام تک آسان رسائی ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے اقدامات

1۔متعلقہ حکام کو خطوط لکھے گئے
2۔افسوس کا اظہار کیا گیا
3۔پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مینڈیٹ سے باہر ہے
4۔نامکمل معلومات
5۔منظوریاں
6۔شکایات درج کرنے والوں کو رسیدیں بھیجی گئیں
7۔دوسری این۔جی۔اوز کے حوالے کی گئی۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ بیشتر سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں شکایات کے مراکز قائم کئے گئے ہیں جو کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی روک تھام کے لیے بہت اہم ثابت ہو سکتے ہیں لیکن بدقسمتی سے یہ مراکز یا تو اپنی ذمہ داریاں نبھانے سے قاصر ہیں یا پھر بروقت جواب نہیں دیتے۔ اس کی ایک واضح مثال خواتین کو ہراساں کرنے اور ان پر تشدد کی روک تھام کے لیے حکومت پنجاب کے قائم کردہ شکایات کے مراکز ہیں۔لیکن یہ مراکز اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں مکمل طور پر غیر موثر ہیں۔

اعلیٰ حکام کے جوابات

1۔جوابات موصول ہوئے (25 فیصد)
2۔جوابات موصول نہیں ہوئے (70 فیصد)
3۔مزید تفتیش کی گئی (5 فیصد)

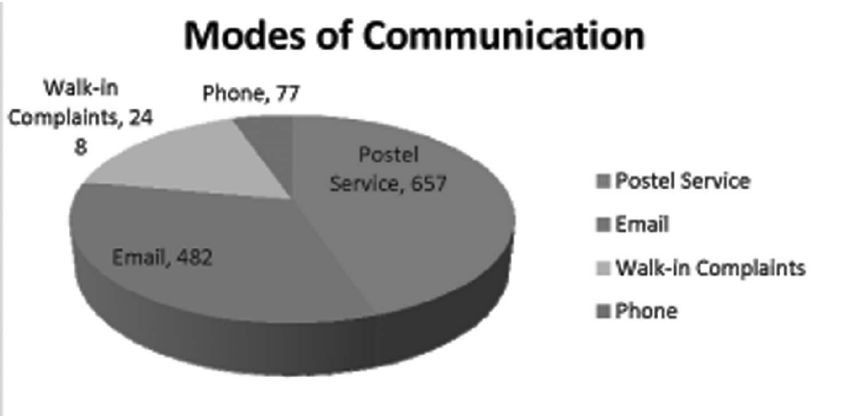

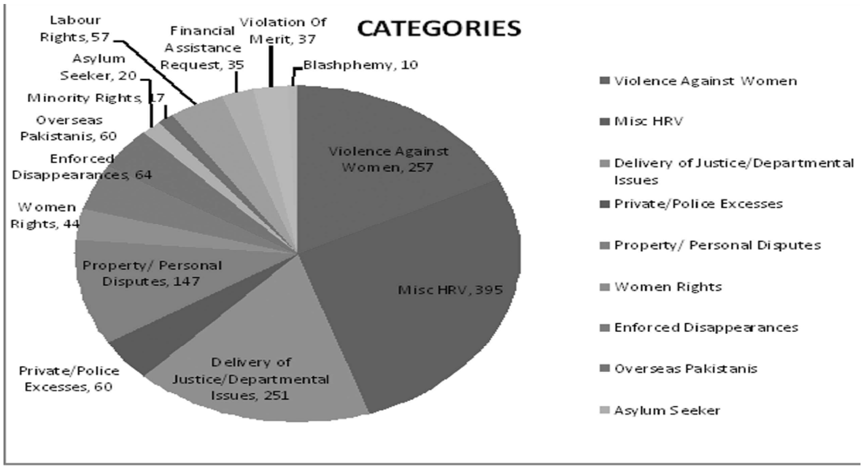

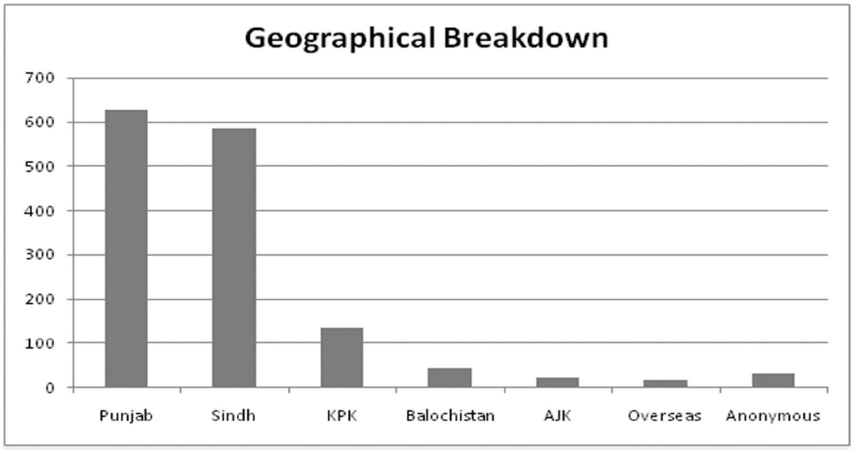

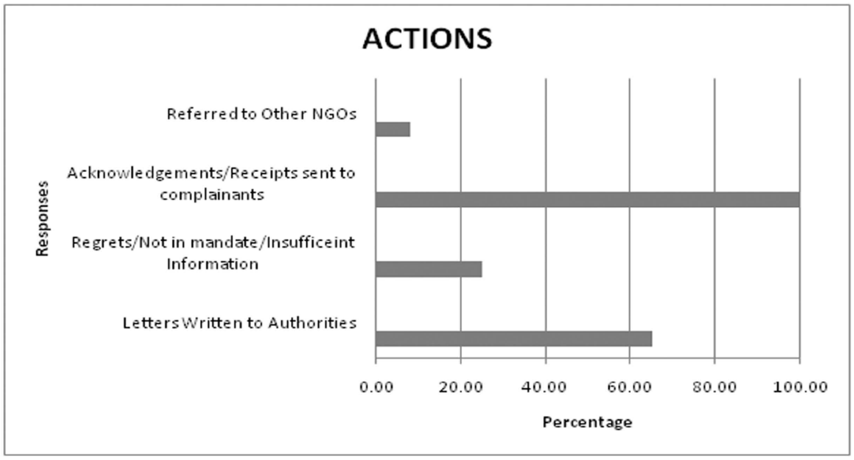

2018 کے دوران انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے واقعات

نیچے دیے گئے جدول میں یکم جنوری 2018 سے یکم دسمبر 2018 کے دوران ہونے والی انسانی حقوق کی پامالیوں کے کیسز کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ یہ اعداد و شمار مختلف اخبارات/ نیوز ویب سائٹس (اردو اور انگریزی) اور ملک بھر میں ایچ آر سی پی کے نامہ نگاروں کی رپورٹس پر مبنی ہیں۔ اصل کیسز/ اعداد و شمار اس سے زیادہ ہو سکتے ہیں کیونکہ مندرجہ ذیل واقعات میں وہ کیسز شامل نہیں ہیں جو میڈیا پر رپورٹ نہیں ہوتے۔

نمبر شمار	خلاف ورزی کی قسم	کیسز کی تعداد	متاثرین کی تعداد
1	توہین مذہب	17	(مرد:15،خواتین:2)
2	سزائے موت	305	(مرد:302،خواتین:3)
3	پھانسیاں	12	12
4	پولیس مقابلے	114	266(مرد265،خواتین1)
5	پولیس کی زیادتیاں	92	144(مرد111،خواتین33)
6	فرقہ واریت	13	114(50ہلاک،64زخمی)
7	'غیرت' کے نام پر قتل/ کاروکاری	318	421(خواتین285،مرد137)
8	خواتین کا قتل	554	554
9	جنسی تشدد (خواتین)	848	848
10	خواتین کا اغواء	603	603
11	خواتین کے خلاف گھریلو تشدد	127	127
12	خواتین کو جلائے جانے کے واقعات	140	140
13	خودکشی	1341	1341(مرد781،خواتین550)
14	اقدام خودکشی	486	545(مرد298،خواتین247)
15	بچوں کے خلاف جسمانی سزا	44	44

راولپنڈی کے 5000 میں سے 3000 سکولز غیر درج شدہ ہیں

راولپنڈی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی کے سینئر اہلکار کے مطابق، راولپنڈی کے 5000 میں سے تقریباً 3000 نجی سکولز رجسٹرڈ نہیں ہیں۔ انھوں نے واضح کیا کہ ضلع میں پرائیویٹ سکولوں کو رجسٹر اور مانیٹر کرنے کے لیے الگ سے کوئی اتھارٹی موجود نہیں اس لیے والدین فیس اور تعلیمی معیار کے خلاف شکایت جمع نہیں کروا سکتے۔ عملہ کم ہونے کی وجہ سے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی سے درج شدہ تعلیمی اداروں کی باقاعدہ مانیٹرنگ نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ پرائیوٹ سکولوں کی رجسٹریشن اور مانیٹرنگ کے لیے علیحدہ اتھارٹی ہونی چاہیے۔ ریگولیٹری باڈی کی عدم موجودگی کی وجہ سے، والدین کہیں بھی شکایات لے کر نہیں جا سکتے۔ ایک حالیہ سروے کے مطابق شہر میں 65 فیصد سکولز ایجوکیشن اتھارٹی سے درج شدہ نہیں جس کی وجہ سے صوبائی حکومت ان سکولوں میں اپنی رٹ قائم نہیں کر سکتی۔ انھوں نے کہا کہ ایک الگ ادارہ نہ ہونے کی وجہ سے، ایجوکیشن اتھارٹی صرف ان اداروں کو رجسٹر کرتی ہے جو رجسٹریشن کے لیے درخواستیں جمع کرواتے ہیں۔ انھوں نے کہا، تاہم یہ ضروری ہے کہ تمام ادارے رجسٹر کیے جائیں تا کہ حکومت ان کو مانیٹر کر سکے۔ انھوں نے کہا، آج کل جب کسی پرائیویٹ سکول سے درخواست موصول ہوتی ہے تو ایجوکیشن اتھارٹی، فیس سٹرکچر، زمین، انفراسٹرکچر، اساتذہ اور ان کی تنخواہوں، کمپیوٹر اور سائنسی تجربہ گاہوں کی سہولیات اور حفاظتی اقدامات کی جانچ پڑتال کے لیے گورنمنٹ سکولوں کے پرنسپلز کو متعین کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پرائیوٹ سکول کے مالکان کا کہنا تھا کہ وہ ایجوکیشن اتھارٹی سے اندراج کروانا چاہتا تھے لیکن ان کے پاس کوئی واضح حکمت عملی نہیں تھی۔ انھوں نے اسلام آباد میں پرائیویٹ ایجوکیشن رجسٹریشن اتھارٹی کے ساتھ ساتھ الگ باڈی بنانے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ (انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجیے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/ اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

ایچ آر سی پی کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے ضروری کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تا کہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے نیچے دی گئی ویب سائٹ پر موجود ہیں

www.hrcp-web.org

گولی پھر چلی

فاروق طارق

بارہ جنوری 2019 کو بیل گنج آرمی ویلفئر ٹرسٹ کے مزارعین انتظامیہ کی جانب سے بجلی کے ٹرانسفارمر کو اتارے جانے کی کوشش کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ انہیں زمینوں سے بے دخل کرنے کے لئے بجلی کاٹی جانی ضروری تھی، مزارعین یہ بات خوب سمجھتے تھے، لہذا وہ جان کی پرواہ کئے بغیر ان سیکورٹی گارڈز کے سامنے احتجاج کر رہے تھے جو آرمی ویلفیئر ٹرسٹ نے ایسے ہی موقعوں کے لئے بھرتی کئے ہوئے تھے۔

اب یہ بات اس ادارے کے منتظمین کے لئے قابل برداشت نہ تھی کہ وہ کسی قسم کے احتجاج کو اپنے سامنے ہوتے دیکھتے۔ لہذا گولی چلی اور ایک دفعہ پھر چلی۔

ایک مزارع تو موقع پر شہید ہو گیا۔ 16 زخمی ہو گئے، زخمیوں کو ہسپتال لے جانے کی بجائے، بیرک میں رکھا جا رہا تھا۔ یہ ان کی گرفتاری کی ایک نئی شکل تھی۔ پہلے گولی مارو پھر اندر بند کر دو؛ پھر مقامی پولیس کے لوگوں نے انہیں سمجھایا کہ بندے اور مر جائیں گے، زخمیوں کو ہسپتال منتقل کرو۔

اور یوں پاکپتن کے ہسپتال میں زخمیوں کی منتقلی شروع ہوئی پھر زیادہ زخمیوں کو ساہیوال ہسپتال ریفر کیا گیا۔

یہ کوئی نئی کہانی نہ تھی۔ مزارعین اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ یہاں پہلے بھی ظفر چیمہ 2003 میں شہید ہوا تھا۔ اور ہم اس کی رسم قل میں شریک ہوئے تھے۔

یہ کچھ تو 2001 سے ہو رہا ہے، پہلا مزارع شہید بشیر تھا رینالہ خورد میں جہاں ملٹری فارم انتظامیہ کے غنڈوں نے گولی چلائی اور یہ سینے پر گولی کھا کر امر ہو گیا۔ پھر اوکاڑہ ملٹری فارمز کے چک 104/L کا پطرس شہید تھا۔ یہ مسیحی کمیونٹی کا پہلا شہید تھا۔ اس کی وفات پر شاہ تاج قزلباش اور ہم جس طریقے سے چھپتے چھپاتے گاؤں پہنچے تھے وہ کہانی پھر سہی، ایک ایڈونچر تھا فوجیوں کی جانب سے دیہاتوں کے راستے بند کرنے کے باوجود وہاں پہنچنا، پھر چک 4/L کا بابا امیر تھا۔ جو گولیاں کھاتا مر گیا۔ یہ سلسلہ رکا نہیں۔ کلیانہ ملٹری اسٹیٹ میں تو پوری رات گولی چلتی رہی اور تین شہید ہو گئے تھے۔

کوئی 13 مزارعے شہید ہوئے ہیں اب تک، جدوجہد زمین کی ملکیت کا حق مانگنے کی ہے وہ بھی پاکستان کے طاقت ور ادارے سے جس نے پنجاب حکومت کی ملکیتی زمینوں کو اپنے کنٹرول میں لیا ہوا ہے۔ کیا کبھی ہوتا ہے کہ سماج کا کمزور ترین حصہ طاقت ور ترین سے اپنا حق مانگنے کی جسارت کرے۔ بس یہی برداشت نہیں ہے ان سے۔ گولی پے گولی چل رہی ہے۔ انا ہے کہ جھکنے کا نام نہیں لیتی۔

مقابلہ تو ہے ہی نہیں۔ یہ بھی مزارعین کی جدوجہد کا خاصہ ہے کہ وہ نعرہ تو ”مالکی یا موت“ کا لگاتے ہیں۔ لیکن موت مقابلے والوں کے لئے نہیں اپنے لئے مانگ کر لیتے ہیں، آج اٹھارہ برسوں بعد شکر ہے کہ ایک بھی فوجی یا پولیس والا مزارعین کے ردعمل کا شکار نہ بنا ہے۔ مرتا ہے تو مزارع ہی۔ انکی بچت بھی اسی میں ہے اور خود گولی کھاؤ؛ مارو نہیں،

قتل مزارع ہوتا ہے مقدمہ بھی مزارع رہنما کے خلاف ہوتا ہے۔ چک پندرہ میں دو مزارع 2015 میں اوکاڑہ ملٹری فارم کے گاؤں پندرہ میں گولیوں کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔ اور مقدمہ مہر ستار سمیت دیگر راہنماؤں پر درج ہوا۔ یہ الگ بات کہ اکثر عدالتیں مزارعوں کی بے گناہی ثابت کرتی رہتی ہیں اور انہیں مقدمات سے بری کر دیا جاتا ہے، لیکن سالوں عدالتوں اور جیلوں کے منہ دیکھ کر۔ کچھ میں سزا بھی ہوئی۔ مہر ستار تو اب بھی جیل میں ہے۔ جو رہا ہوتا ہے اس سے اپنی مرضی کے اشٹام پر دستخط کراتے ہیں پھر چھوڑتے ہیں۔

صرف نعرہ لگاؤ زمین کی ملکیت کا۔

کوئی 1900 مزارع جیلوں میں دھکیلے گئے، کوئی ہزار کے قریب مقدمے مزارعوں کے خلاف درج ہیں۔ کوئی دو سو مزارع عورتیں بھی جیلوں کی ہوا کھا آئی ہیں۔ دہشت گردی کا مقدمہ ان کے خلاف درج کرنا تو ایک رواج بن گیا ہے۔ جرم جلوس نکالنا ہوتا ہے مقدمہ دہشت گردی کا ہوتا ہے۔

قتل مزارع ہوتا ہے مقدمہ بھی مزارع رہنما کے خلاف ہوتا ہے۔ چک پندرہ میں دو مزارع 2015 میں اوکاڑہ ملٹری فارم کے گاؤں پندرہ میں گولیوں کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔ اور مقدمہ مہر ستار سمیت دیگر راہنماؤں پر درج ہوا۔ یہ الگ بات کہ اکثر عدالتیں مزارعوں کی بے گناہی ثابت کرتی رہتی ہیں اور انہیں مقدمات سے بری کر دیا جاتا ہے، لیکن سالوں عدالتوں اور جیلوں کے منہ دیکھ کر۔ کچھ میں سزا بھی ہوئی۔

مہر ستار تو اب بھی جیل میں ہے۔ جو رہا ہوتا ہے اس سے اپنی مرضی کے اشٹام پر دستخط کراتے ہیں پھر چھوڑتے ہیں۔ قانون اوکاڑہ اور پاکپتن کے ان فارموں میں انٹیلی جنس ایجنسیوں اور طاقت ور اداروں کے اشاروں پر استعمال ہوتا ہے۔

پولیس کی بے بسی یا ان کے سر کو دیگر کے سامنے جھکتا دیکھنا ہو تو اوکاڑہ آجایئے۔ یہ ان کے اشاروں پر چلتی ہے۔

اب یہاں بیل گنج کے مزارعوں نے ذرا عقلمندی سے کام لیا۔ شہید کو دفنایا نہیں بلکہ اس کی لاش سمیت پاکپتن میں پولیس افسران کے دفاتر کے سامنے مظاہرہ کیا۔ مطالبہ کیا تھا۔ ایف آئی آر درج کروانے کے خلاف جنہوں نے گولی چلائی، ہمارے خلاف نہیں؛۔ اور اب قتل کے دو دن بعد اب پندرہ سیکورٹی گارڈز کے خلاف مقدمہ درج ہوا ہے، گرفتاری نہیں۔

ورنہ مقدمہ تو شبیر ساجد کے خلاف ہی درج ہونا تھا۔ جو پہلے ہی دو سال جیل کاٹ کر آیا تھا۔ اسکے بیٹے مشتاق کو تو پہلے ماہ ہی اتنا مارا تھا انہوں نے کہ اس کی شکل پہچانی نہیں جاتی تھی، یہ مزارعے بھی انتہائی ڈھیٹ قسم کے ہیں۔ ظلم سہتے ضرور ہیں۔ مگر جھکتے نہیں پھر آواز بلند کر دیتے ہیں۔ کہ یہ زمینیں ہمارے نام کرو۔ ان پر ہمارا حق ہے۔

اب حل کیا ہے؟

کچھ کہتے ہیں کہ مزارعوں نے جو بٹائی روکی ہوئی ہے وہ ادا کریں۔ یہ تو حل نہیں ہے، بارہ ایکڑ زمینیں کوئی ایک سو سال قبل ایک خاندان کو ملی تھیں۔ اب چوتھی نسل چل رہی ہے۔ زمینیں وراثتی سطح پر تقسیم در تقسیم ہو رہی ہیں۔ اب تو کینالوں میں آ گئی ہے۔

حصہ لینے کا نظام ناکام ہے، حل سادہ ہے کہ یہ زمینیں مزارعین کے نام کر دی جائیں۔ اور کوئی قابل عمل حل نظر نہیں آتا۔ ورنہ آپ گولیاں چلاتے رہیں گے، جیلیں بھرتے رہیں گے، مقدمے درج کرتے رہیں گے۔ یہ باز نہیں آئیں گے اور زمین کی ملکیت کا مطالبہ کرتے رہیں گے۔

اور زمینیں دینے سے اس سارے علاقے کا سکون بھی واپس ہوگا، امن بھی ہوگا،

یہ نہیں ہو سکتا کہ

ظلم رہے اور امن بھی ہو

اوکاڑہ ملٹری فارمز تنازع: 'پاک فوج نے تسلیم کرلیا کہ زمین پنجاب حکومت کی ملکیت ہے'

سحر بلوچ

نیشنل کمیشن آف ہیومن رائٹس کے چیئرمین جسٹس (ریٹائرڈ) نواز علی چوہان نے دعویٰ کیا ہے کہ کئی سالوں سے جاری اوکاڑہ ملٹری فارمز کی ملکیت کے تنازع میں پہلی دفعہ پاک فوج نے تسلیم کیا ہے کہ اوکاڑہ ملٹری فارم اس کی ملکیت ہے نہ وہ اس کی ملکیت کی دعوے دار ہے، بلکہ اس کی اصل مالک پنجاب حکومت ہے۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے این سی ایچ آر کے چیئرمین نے بتایا کہ بہت جلد اوکاڑہ مزارعین اور فوج کے درمیان کوئی مثبت معاہدہ طے پا جائے گا اور کہا کہ فوج کا یہ بھی ماننا تھا کہ ان کا اس زمین کو حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

فوج کی جانب سے اس اعتراف کے ساتھ ایک بار پھر کہا جا رہا ہے کہ اوکاڑہ فارمز کے مزارعین اور فوج کے درمیان شاید کوئی معاہدہ طے پا جائے۔

ساتھ ہی انھوں نے بتایا کہ مختلف تجاویز پر بات ہو چکی ہے اور اب مزارعین کی جانب سے جواب 17 جنوری کو اسلام آباد میں سماعت کے دوران دیا جائے گا کہ آیا وہ ان تجاویز کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

اس سماعت میں عوامی ورکرز پارٹی کے رہنما، پنجاب حکومت کے افسران اور پاک فوج کا ایک نمائندہ موجود تھا۔

'فوج کے پاس صرف زمین کا کنٹرول ہے'

فوج کی طرف سے موجود نمائندے نے 31 دسمبر کو اسلام آباد میں نیشنل کمیشن آف ہیومن رائیٹس میں اوکاڑہ ملٹری فارمز کے حوالے سے ہونے والی ایک سماعت میں بتایا کہ یہ تاثر غلط ہے کہ فوج اوکاڑہ ملٹری فارمز کی ملکیت چاہتی ہے۔

انھوں نے کہا کہ 'فوج کے پاس صرف زمین کا کنٹرول ہے۔'

'ابھی تک کچھ طے نہیں ہوا لیکن ہم اُس طرف گامزن ہیں۔'

31 دسمبر 2018 کو ہونے والی سماعت میں یہ بات سامنے رکھی گئی تھی کہ مزارعین کو تنگ نہیں کیا جائیگا اور ان کے خلاف فوجداری کے 80 مقدمات واپس لے لیے جائیں گے۔ ساتھ ہی پاک فوج نے بھی واضح کر دیا ہے کہ ان کو ملٹری فارمز کی ملکیت نہیں چاہیئے کیونکہ زمین دراصل پنجاب حکومت کی ہے۔ یہ بات بھی سامنے رکھی گئی کہ بٹائی ملٹری فارمز انتظامیہ کو نہیں دی جائے گی، جو اس کا مالک ہے اس سے بات کی جا سکتی ہے۔'

ادھر عوامی ورکرز پارٹی کے جنرل سیکریٹری، فاروق طارق نے کہا کہ ہم نے بٹائی دینے پر رضامندی ظاہر نہیں کی ہے۔

'اگر حکومت ہم سے بٹائی لینا چاہے تو اس پر ہم آنے والے ہفتوں میں اوکاڑہ، خانیوال اور سرگودھا میں میٹنگ کریں گے۔ اس میٹنگ میں ہم تجاویز تیار کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔'

انھوں نے مزید بتایا کہ یہ بھی بات کی گئی ہے کہ پچھلے 18 سال کی بٹائی معاف کی جائے گی لیکن اس کے بعد سے بٹائی دینی پڑے گی۔

یہ تاریخ میں دوسرا موقع ہے کہ اوکاڑہ مزارعین اور پاک فوج کے ترجمان آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔

اس سے پہلے بھی فروری 2017 میں این۔سی۔ایچ۔آر میں اوکاڑہ انتظامیہ کی جانب سے جمع کرائی گئی ایک رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ پاک فوج اور مزارعین کے درمیان تمام تجاویز پر بات چیت کے بعد جلد معاہدہ طے پا جائے گا لیکن اس کے باوجود بہت سے کسان بٹائی دینے پر راضی نہیں ہوئے اور معاملہ جوں کا توں رہا۔

اوکاڑہ ملٹری فارمز کا تنازعہ کیا ہے؟

اوکاڑہ ملٹری فارمز 18000 ایکڑ کی زمین ہے جس میں سے 5000 ایکڑ فوج کے ہاتھ میں ہے جبکہ 13000 ایکڑ مزارعین کے پاس ہے۔

ان زمینوں پر زیادہ تر گندم، مکئی اور چاولوں کی کاشت ہوتی ہے۔ فوج کا پہلے مؤقف تھا کہ ریونیو اتھارٹی کے مطابق زمین ان کی ہے جو برطانوی راج کے بعد ان کے حصے میں آئی تھی اس لیے کسانوں کو اگائی ہوئی فصل کا کچھ حصہ بٹائی کے طور پر ان کو دینا ہوگا۔

> سابق وزیرِاعظم نواز شریف نے اوکاڑہ کے کسانوں کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کی زمین ان سے کوئی نہیں چھین سکے گا لیکن ان سے یہ وعدہ ایفا نہ ہو سکا۔ مزارعین وزیرِاعظم عمران خان کے دھرنے کے دنوں میں دیے گئے بیانات بھی یاد کرتے ہیں۔ خاص طور سے **2013** کے عام انتخابات کے دوران دیئے گئے اپنے ایک بیان میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ اوکاڑہ کے مزارعین کو حق ملکیت دیں گے۔ مزارعین کا ماننا ہے کہ ان زمینوں کو ان کے نام کرنا ہی اس معاملے کا بہتر حل ہے۔

دوسری جانب اوکاڑہ فارمز پر کاشت کرنے والے کسانوں کا کہنا ہے کہ یہ زمین ان کے آباؤ اجداد کی ہے۔ برطانوی راج کے بعد زمینیں فوج کو چلی گئیں جس کے نتیجے میں کسان فوج کو کئی سالوں تک ان زمینوں پر اگنے والی کاشت کا حصہ دیتے رہے۔

سابق صدر پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں کسانوں سے کہا گیا کہ یہ زمینیں ٹھیکے پر لے لیں۔ مزارعین نے اس پر اعتراض کیا کیونکہ ان کو لگا کہ ٹھیکا بھی بڑھا دیا جائے گا اور ایک وقت پر ٹھیکا منسوخ کر کے ان سے ان کی زمینیں خالی کروا دی جائیں گی۔

مالکی یا موت

سال 2000ء میں انجمنِ مزارعینِ پنجاب نے مالکی یا موت کا نعرہ یہ کہہ کر بلند کیا کہ ان زمینوں پر مزارعین کا حقِ وراثت ہے اور پاکستان میں ٹھیکے پر کام کرنے والوں یا رہنے والوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔

اس کے بعد سے آج تک ہونے والی جھڑپوں میں مزارعین کے مطابق ان کے 13 افراد ہلاک کر دیے گئے ہیں جبکہ عوامی ورکرز پارٹی کا کہنا ہے کہ مزارعین کی زیادہ تر قیادت قید میں ہے۔

اس سلسلے میں سب سے بڑا واقعہ سنہ 2014 میں پیش آیا تھا جب پاکستانی فوج ٹینکوں سمیت اوکاڑہ ملٹری فارمز میں داخل ہوئی اور طاقت کا استعمال کیا جس کے نتیجے میں چک 15 کے نور محمد کمبوہ مارے گئے اور کئی گرفتاریاں کی گئیں۔

اے ڈبلیو پی کے فاروق طارق نے بتایا کہ اسی دوران عوامی ورکرز پارٹی کے کئی ارکان پکڑے گئے جن پر بھارتی ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا گیا اور آج انجمن تحفظ مزارعین کے جنرل سیکرٹری مہر عبدالستار پر غداری اور فوجداری کا مقدمہ دائر ہے اور وہ جیل میں قید ہیں۔

ساتھ ہی صحافیوں پر ملٹری فارمز پر خبر لکھنے کے نتیجے میں مقدمات درج کیے گئے جن میں سے ایک حسنین رضا نے 23 ماہ جیل کاٹی اور 2018 میں رہائی پائی۔

اب تک اس تنازعے کے نتیجے میں 1900 لوگوں کے خلاف مختلف نوعیت کے مقدمات درج ہو چکے ہیں جن میں مردوں سمیت خواتین بھی گرفتار ہوئی ہیں۔

اے ڈبلیو پی کے فاروق طارق نے مزید کہا کہ 'جنرل مشرف کی آمریت کو چیلنج کرنے والی یہ پہلی عوامی تحریک تھی۔ یہ لوگ جلسے جلوس کرتے تھے، سڑکوں پر آتے تھے جو فوج، رینجرز اور پولیس کو نہیں پسند تھا۔ اس کے نتیجے میں انسانی حقوق کی کئی بار پامالی بھی کی گئی۔'

سنہ 2017 میں فوج اور ملٹری فارمز پر کام کرنے والے کسانوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کے مطابق کسان پیسے دینے کے بجائے اپنی کاشت کا حصہ فوج کو دیں گے جس کے بدلے میں فوج ان کو ان کی زمینوں سے نہیں نکالے گی۔

سال 2017 کے اُس معاہدے پر 1250 دستخط ہونے تھے لیکن اب تک صرف 126 دستخط ہی ہو پائے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب بھی کئی کسان اس معاہدے کے خلاف ہیں۔

اس کے بعد سے اب تک، فوج مزارعین سے 10 فیصد بٹائی لینے میں کامیاب ہو چکی ہے جبکہ 90 فیصد مزارعین اب بھی بٹائی دینے کے خلاف ہیں۔

اوکاڑہ پر اب تک زبانی جمع خرچ

سابق وزیرِاعظم نواز شریف نے اوکاڑہ کے کسانوں کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کی زمین ان سے کوئی نہیں چھین سکے گا لیکن ان سے یہ وعدہ ایفا نہ ہو سکا۔

مزارعین وزیرِ اعظم عمران خان کے دھرنے کے دنوں میں دیے گئے بیانات بھی یاد کرتے ہیں۔ خاص طور سے 2013 کے عام انتخابات کے دوران دیئے گئے اپنے ایک بیان میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ اوکاڑہ کے مزارعین کو حقِ ملکیت دیں گے۔

مزارعین کا ماننا ہے کہ ان زمینوں کو ان کے نام کرنا ہی اس معاملے کا بہتر حل ہے۔ (بشکریہ: بی بی سی اردو)

عورتیں

خواتین پر تشدد کی روک تھام کے لیے محکمہ پولیس میں شکایت سیل کا قیام

حیدرآباد سماجی تنظیم سندھ ڈویلپمنٹ سوسائٹی اور پاکستان فورم فار ڈیموکریٹک پولنگ سندھ چیپٹر کے اشتراک سے حیدرآباد پریس کلب آڈیٹوریم میں ''میرے پاس'' کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا جس میں مصطفی بلوچ، علی رضا، غفار ملک، ایم پرکاش ایڈووکیٹ، ہیومن رائٹس سیل کے انسپکٹر نواب خان ودیگر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سماجی تنظیموں کے تعاون سے خواتین پر ہونے والے تشدد کو روکنے کے لیے محکمہ پولیس میں ایک شکایتی سیل قائم کیا گیا ہے، جہاں آکر کوئی بھی شخص عورتوں پر ہونے والے تشدد کو روکنے کے لیے آگاہی پروگرام کر رہی ہیں تاکہ خواتین پر ہونے والے تشدد کو روکا جا سکے۔

(لالہ عبدالحلیم)

غیرت کے نام پر دیور نے بھابھی اور چچازاد بھائی کو قتل کر دیا

مردان 5 جنوری 2019ء کو نواحی علاقہ گڑھی کپورہ میں غیرت کے نام پر دیور نے فائرنگ کر کے اپنی بھابھی اور چچازاد کو قتل کر ڈالا، واردات کے بعد ملزم فرار ہو گیا ہے پولیس نے رپورٹ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے، پولیس رپورٹ کے مطابق محلّہ بلڑخیل میں یہ واقعہ پیش آیا جہاں مبینہ ملزم عادل نے اپنی 23 سالہ بھابھی مسماۃ (س) اور چچازاد عرفان کو قابل اعتراض حالت میں پایا جس کے بعد دونوں کو فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا، ملزم دوہرے قتل کے بعد فرار ہو گیا، ایس پی انوسٹی گیشن گل نواز خان نے جائے وقوعہ کا دورہ کیا اور کرائم سین کا جائزہ لیا، انہوں نے تفتیشی عملے کو ہدایت جاری کیں۔ متاثرین نے اعلیٰ حکام سے اپیل کی ہے کہ ملزمان کو جلد از جلد گرفتار کیا جائے اور ان کو سخت سزا دی جائے تاکہ ان کو انصاف مل سکے۔

(روزنامہ مشرق)

جنسی ہراسانی کے خلاف پہلی بار محتسب تعینات

پشاور خیبر پختونخوا حکومت نے انسانی حقوق کی رضا کار رخشندہ ناز کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے خلاف صوبے کی پہلی محتسب تعینات کرنے کی منظوری دے دی۔ صوبائی کابینہ کے اجلاس کے بعد صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے صوبائی وزیر اطلاعات شوکت یوسفزئی نے بتایا کہ کابینہ نے رخشندہ ناز کو ہراساں کیے جانے کے خلاف صوبے کی پہلی محتسب تعینات کرنے کی منظوری دی ہے۔ واضح رہے کہ ملازمت کی جگہ پر خواتین کو ہراساں کیے جانے کے خلاف تحفظ ایکٹ 2010 کے نافذ العمل ہونے کے بعد سے صوبائی حکومت ہراساں کیے جانے کے خلاف محتسب تعینات کرنے میں ناکام رہی تھی جس پر ایک غیر حکومتی ادارے (این جی او) نے پشاور ہائی کورٹ میں درخواست دائر کی تھی۔ پشاور ہائی کورٹ نے ستمبر 2017 کو حکومت کو اس عہدے پر تعیناتی کے حوالے سے احکامات جاری کیے تھے۔ نومبر 2017 کو اس وقت کی کابینہ نے ایکٹ میں ترمیم کی منظوری دی تھی جس سے ملازمت کی جگہ پر خواتین کو ہراساں کیے جانے کے کیسز سننے کے لیے محتسب کی تعیناتی کا راستہ مزید کھلا تھا۔ وزیر اطلاعات کا کہنا تھا کہ چیف سیکریٹری کی سربراہی میں کمیٹی نے عہدے کے لیے 3 نام پیش کیے تھے جس پر صوبائی کابینہ نے تفصیلی بحث کے بعد رخشندہ ناز کے نام کی منظوری دی۔ سرکاری دستاویزات کے مطابق کمیٹی کا اجلاس 26 ستمبر 2017 کو ہوا تھا جس میں 3 افراد، رخشندہ ناز، ماہ طلعت اور شکیلہ بیگم کا نام شارٹ لسٹ کیا گیا تھا۔ (بشکریہ: ڈان)

زبردستی منگنی کرانے پر لڑکی کی خودکشی

کراچی کراچی کے علاقے پنجاب کالونی میں نوجوان لڑکی نے والدین کی جانب سے زبردستی اور پسند کے لڑکے سے منگنی نہ کرنے پر خودکشی کر لی۔ فریئر پولیس کے مطابق پنجاب کالونی کی رہائشی 22 سالہ لڑکی کی لاش گھر کی چھت سے لٹکی ہوئی ملی جسے ضروری قانونی چارہ جوئی کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ ایس ایچ او محمد ابراہیم کے مطابق جب یہ خاندان مچھر کالونی میں رہتا تھا تو لڑکی کی وہاں کے مقامی لڑکے سے دوستی ہو گئی تھی لیکن لڑکی کے والدین اس رشتے پر راضی نہ تھے۔ یہ گھرانہ حال ہی میں پنجاب کالونی منتقل ہو گیا تھا جس کے بعد والدین نے اپنی بیٹی سے موبائل فون چھین کر اس کی نقل وحرکت پر بھی پابندی عائد کر دی تھی۔ اس کے بعد حال ہی میں لڑکی کی خواہشات کے برعکس والدنے اس کی منگنی کسی اور لڑکے کے ساتھ کر دی تھی۔ پولیس نے بتایا کہ والدین کے مطابق رات گئے جب وہ فشری سے واپس لوٹے تو انہوں نے سنا کہ ان کی بیٹی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی ہے جبکہ کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ لڑکی عموماً صبح 6 بجے اٹھ کر اپنے والدین کو چائے دیتی تھی لیکن اپنے روزمرہ کے معمولات کے برعکس اس نے ایسا نہ کیا تو انہیں تشویش جس کے بعد صبح 11 بجے تک نہ اٹھنے پر والدہ نے دروازہ توڑ دیا جہاں ان کی بیٹی کی لاش چھت کے پنکھے سے لٹکی ہوئی تھی اور اس نے دوپٹے سے گلے میں پھندا لگا کر خودکشی کی۔ ایس ایچ او ابراہیم نے انکشاف کیا کہ لڑکی کے پاس سے ایک اور موبائل فون ملا ہے جو اس نے چند دن قبل لیا تھا اور پولیس نے اسے قبضے میں لے لیا ہے۔ لڑکی کے فون کال ڈیٹا سے انکشاف ہوا کہ وہ اپنے دوست سے مستقل رابطے میں تھی اور بدھ کو بھی شام تین بجے سے رات 8 بجے تک ان کی آپس میں بات ہوئی تھی۔ (بشکریہ: ڈان)

کار بم دھماکہ، 2 خواتین سمیت 6 افراد زخمی

پشاور 5 جنوری 2019ء کو پشاور کینٹ کے علاقہ کالی باڑی میں بارود سے بھری گاڑی کے دھماکہ میں 2 خواتین سمیت 6 افراد شدید زخمی ہوگئے، دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ پورا علاقہ لرز اٹھا اور کئی گھروں ودوکانوں کو بھی نقصان پہنچا جبکہ قریب ہی نصب بجلی ٹرانسفارمر بھی تباہ ہوگیا، اطلاع ملتے ہی پولیس اور امدادی ٹیمیں اور سیکورٹی فورسز کی بھاری نفری جائے وقوعہ پر پہنچ گئیں، اور زخمیوں کو طبی امداد کیلئے ہسپتال منتقل کر دیا، جس مقام پر دھماکہ ہوا وہ پشاور کا ایک مصروف علاقہ ہے جہاں قریب ہی ایک زیر تعمیر مسجد اور متعدد دکانیں موجود ہیں جبکہ ڈھابوں کی موجودگی کی وجہ سے وہاں لوگ ناشتے کیلئے بھی آیا کرتے ہیں، دھماکے میں 10 سے 12 کلوگرام بارودی مواد استعمال ہوا جسے گاڑی میں نصب کیا گیا تھا، ہفتہ کی صبح پشاور کینٹ کے علاقہ کالی باڑی میں 8 بجکر 40 منٹ پر مسجد کے قریب نامعلوم دہشت گردوں نے گاڑی کھڑی کی اور اسکے چلتے ہی بارودی مواد سے بھری یہ گاڑی زوردار دھماکہ سے پھٹ گئی جس کے نتیجے میں دو خواتین سمیت چھ افراد زخمی ہوگئے جبکہ قریب واقع متعدد دکانوں اور عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا، تاہم دھماکہ ایسے وقت میں ہوا جب وہاں لوگوں کا رش نہ ہونے کے برابر تھا اور یوں اس دھماکہ میں جانی نقصان کم ہوا، دھماکے میں زخمیوں کو ہسپتال منتقل کیا گیا جن میں دو خواتین مسماۃ مختیار بی بی زوجہ دین محمد ساکن صدر، مسماۃ روبی زوجہ فرانسز ساکن رحمٰن ٹاؤن، محمد فاروق ولد دین محمد، رحمت گل ولد بہرام ساکنان صدر، عمیر ولد پرویز ساکن آسیہ گیٹ، اور ابراہیم ولد بادی گل ساکن نوتھیہ شامل ہیں جن کی حالت خطرے سے باہر ہے۔

(روزنامہ آج)

صنف کی بنیاد پر تشدد کے خلاف ایکٹیوازم کے 16 دن

لاہور یکم دسمبر 2018 کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے "صنف پر مبنی تشدد کے خلاف ایکٹوازم کے 16 دن" نامی اپنی مہم کے تحت ایک تھیٹر اور ڈانس پرفارمنس کا اہتمام کیا جس کا مقصد پاکستان میں خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد کے مسئلے کو اجاگر کرنا تھا۔ لاہور میں دراب پٹیل آڈیٹوریم میں منعقد ہونے والا یہ پروگرام کھوتے تھیٹر کی جانب سے پرفارم کیے گئے ایک کھیل "وجودِزن"، اور آمنہ معاذ کی دو ڈانس پرفارمنسز پر مشتمل تھا۔ ایک ڈانس پرفارمنس کشور ناہید کی نظم "ہم گناہگار عورتیں" پر مبنی تھی جبکہ دوسری میں مرحومہ فہمیدہ ریاض کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ایک اوپن فورم منعقد کیا گیا جس میں ملک میں صنف پر مبنی تشدد کے انداز اور گھریلو تشدد اور "غیرت" کے نام پر جرائم کی بڑھتی شرح پر بحث کی گئی۔ کمیشن نے اس موقع پر ایک پریس ریلیز بھی جاری کی جس میں کہا گیا کہ 'عورتوں کے جسم اور ذہن کو جائیداد تصور کرنے یا تشدد، استحصال اور بدسلوکی کا آسان ہدف سمجھنے والے پدرسری نظام اور اس نظام سے جنم لینے والی رسموں کی مہذب معاشروں میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ صنف کی بنیاد پر ہونے والے تشدد (جی بی وی) کے خلاف "ایکٹیوزم کے 16 دن" اس المناک صورت حال کی طرف ہماری توجہ دلاتے ہیں کہ لاکھوں عورتوں اور لڑکیوں کے لیے تشدد کا سامنا کرنا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے اور یہ کہ ایک مہذب معاشرے کا شہری ہونے کی حیثیت سے ہماری خاموشی ناقابل قبول جرم ہے۔ ایچ آر سی پی کا مزید کہنا تھا کہ خواتین کے خلاف تشدد کی نشاندہی کرنے والے تشویشناک واقعات کے خلاف قوانین بھی موجود ہیں جو خواتین کے تحفظ کے لیے بنائے گئے ہیں۔۔۔ ایسے قوانین جو خواتین کو قانونی اور آئینی حقوق فراہم کرتے ہیں مگر وہ ان سے مکمل طور پر آگاہ نہیں ہیں۔ ایچ آر سی پی کا ریاست سے مطالبہ ہے کہ وہ انفراسٹرکچر پر بہت زیادہ وسائل صرف کرے تاکہ انتہائی غیر محفوظ اور پسماندہ خواتین ان تک رسائی حاصل کرسکیں اور ریاست کو یہ بھی چاہیے کہ وہ صنف کی بنیاد پر تشدد کے خلاف رائج انسانی حقوق کے قومی و عالمی نظام کے تحت اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کرے۔

پشاور 6 دسمبر 2018 کو ایچ آر سی پی پشاور آفس نے صنفی تشدد کے خاتمے کا عالمی دن منایا جس میں تقریباً 30 افراد نے شرکت کی۔ ڈاکٹر سرفراز خان نے صنفی تشدد کے خاتمے کے عنوان پر مفصل بات رکھی جس کے بعد شرکاء نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ صنف کی بنیاد پر تشدد کے خاتمے کے لیے بنائے گئے قوانین پر عملدرآمد کیا جائے اور عورتوں کو سیاست اور معاشرے میں برابری حاصل ہوتا کہ وہ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

کوئٹہ 7 دسمبر کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کوئٹہ آفس کے زیراہتمام ''صنفی امتیاز پر مبنی تشدد کا خاتمہ'' کے عنوان پر ایک پروگرام منعقد ہوا۔ جس میں انسانی حقوق کے کارکنوں اور خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والے لوگوں نے شرکت کی۔

> عورت کے حقوق کے راستے میں کبھی مذہب کی من مانی تشریح اور کبھی روایات آتی ہیں۔

حبیب طاہر ایڈووکیٹ:۔ دنیا بھر میں 35 فی صد خواتین اور لڑکیاں اپنی زندگی میں کسی نہ کسی قسم کے جسمانی یا جنسی تشدد کا سامنا کرتی ہیں۔

عورتوں کو دوسرے درجے کا شہری مانا جاتا ہے۔ یا مردوں کی جاگیر جائیداد سمجھا جاتا ہے۔ جہاں اس رویے کو تبدیل کرنا بہت ہی مشکل ہے وہاں تعلیم ہی اس کا حل ہے۔

راحت ملک:۔ بنیادی طور پر انسان کی تذلیل ایک اہم مسئلہ ہے ظلم چاہے مزدور، طالب علم، مرد، لڑکی یا ماں یعنی معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ جو ظلم ہوتا ہے میری رائے میں ظلم ہمیشہ امتیازات سے پیدا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر خالد ہمایوں:۔ ہمارے معاشرے میں وسائل کی تقسیم برابری کی بنیاد پر نہیں ہوتی ہے جس کی وجہ سے تشدد پیدا ہوتا ہے۔ ایسے معاشرے کے اصول تبدیل کرنے کے لیے خواتین کے حقوق کو مردوں کے برابر لانا ہوگا۔ بچوں اور بچیوں دونوں کو تعلیم کے یکساں مواقع دینا ہوں گے۔

جلیلہ حیدر:۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تشدد کیوں ہوتا ہے؟ ایک مائنڈ سیٹ بنا ہوا ہے۔ اس مائنڈ سیٹ سے جنم لینے والے تشدد کا شکار مرد اور عورت دونوں ہی ہوتے ہیں۔ تشدد سماج کا پیدا کردہ ہے۔ گھروں میں ایک مرد کو جائیداد میں حق دیا جاتا ہے جبکہ بچیوں کو یہ حق نہیں دیا جاتا۔

احد آغا:۔ عورت کے حقوق کے راستے میں کبھی مذہب کی من مانی تشریح اور کبھی روایات آڑے آتی ہیں۔ یہ ریاست کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان کے حقوق کی پاسداری کرے۔

سید نصیر شاہ:۔ خواتین کو جائیداد میں حق نہیں دیتے۔ عورت کو تعلیم، معاشی اور جبوری کا حق دیا جائے۔ تاکہ وہ بھی اس معاشرہ کا ایک باعزت فرد بن سکے۔

ڈاکٹر طاہرہ بلوچ:۔ مرد اور عورت دونوں کے ساتھ ظلم ہوتا ہے۔ بات رویوں میں فرق کا ہے۔ ہم نے لوگوں کی سوچ کو بدلنا ہے۔ اور خاص طور پر ایسی پالیساں ترتیب دینی ہے کہ عورت بھی ہمارے معاشرہ کا ایک کارآمد رکن تصور ہو۔

فرید احمد:۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں مردوں کی اجارہ داری ہو جیسا کہ ہمارے پاکستان میں ہے۔ مرد ہی ذاتی اور اقتصادی فیصلے کرنے کے مجاز ہوتے ہیں عورتوں کو اپنی مرضی کا مالک اور آزاد انسان سمجھنے کے بجائے ذاتی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

کراچی پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کراچی چیپٹر کی طرف سے صنف کی بنیاد پر تشدد کے خاتمے کے موضوع پر ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں اس موضوع پر بنائے گئے ایک تھیٹر اور معروف شاعرہ کشور ناہید کی نظم پر رقص پرفارمنس کی سکریننگ کی گئی۔ شرکاء میں انسانی حقوق کے کارکن، صحافی، وکلاء، طالب علم اور عورتوں کے حقوق پر کام کرنے والے کارکنوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ تقریب کے شرکاء کا کہنا تھا کہ پاکستان جیسے معاشرے اور ریاست میں خواتین کے حقوق کی مسلسل خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان خلاف ورزیوں کی روک تھام کے لیے موثر اقدامات کئے جائیں اور ان میں ملوث مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ خواتین کے پاس مالکانہ حقوق نہ ہونے کی بدولت بھی وہ تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔ شرکاء کا کہنا تھا کہ ہمیں صنف کی بنیاد پر تشدد کے اسباب کا پتہ لگانا ہوگا اور پھر ان پر قابو پانا ہوگا۔

گلگت 12 دسمبر 2018 کو صنفی تشدد کے خاتمے کے عنوان سے ایف پی اے پی میٹنگ ہال میں ایک آگہی سیشن کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں تقریباً 25 شرکا نے حصہ لیا۔ شرکاء میں شامل انسانی حقوق کے کارکنان، وکلاء، صحافی سماجی کارکنان اور طالب علموں نے شرکت کی۔ سیشن کے آغاز میں ریکارڈ تھیٹر اور رقص کی سکریننگ کی گئی۔

شرکاء نے گلگت بلتستان میں صنفی بنیاد پر ہونے والے تشدد کے حوالے سے بات کی۔ گلگت بلتستان میں غیرت کے

نام پر قتل صنفی تشدد کی سب سے بدترین شکل ہے۔ کام کرنے والی خواتین کی کردار کشی گلگت بلتستان کے معاشرے میں معمولی فعل بن چکا ہے۔ خواتین صنف کی بنیاد پر ہونے والے امتیازی سلوک اور تشدد کا سامنا نہ صرف اپنے گھروں میں بلکہ کام کرنے کی جگہ اور دیگر سماجی جگہوں پر بھی کر رہی ہیں۔ کردار کشی کے بعد اکثر متاثرہ خواتین خودکشی کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں یا پھر گھر سے بھاگ جاتی ہیں۔ ہمیں اپنے رویوں میں تبدیلی لانا ہوگی۔

انہوں نے جنسی حراسانی سے متعلق قوانین پر بھی بات کی۔ ان کا کہنا تھا کہ صنفی بنیاد پر ہونے والے تشدد کے خلاف مختلف قوانین موجود ہیں جس سے زیادہ تر لوگ آگاہ نہیں، کم از کم کام کرنے والی خواتین کو ان قوانین کے بارے میں آگہی ہونی چاہیے۔

تربت 9 دسمبر 2018 کو ایچ آر سی پی ٹاسک فورس تربت مکران کے زیر اہتمام تربت میں عورتوں پر تشدد کے موضوع پر ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں ایچ آر سی پی کے کارکنان سمیت مختلف شعبوں سے متعلق خواتین وحضرات نے شرکت کی۔ پروگرام دو حصوں پر مشتمل تھا، پہلے حصے میں تقریباً ایک گھنٹے پر مشتمل دو ویڈیو پیش کی گئیں جن کا تعلق عورتوں پر تشدد سے تھا جبکہ دوسرے حصے میں شرکاء نے اظہار خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ خواتین پر تشدد اکثر اوقات جاہلانہ خیالات کی وجہ سے کیا جاتا ہے مگر اس کے علاوہ بھی دیگر کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، اس دور میں جہاں اقوام عالم خود کو تہذیب کا علمبردار سمجھتی ہے دنیا کے بیشتر ممالک میں خواتین کو کوئی طرح کے پرتشدد حالات اور امتیازی سلوک کا سامنا ہے جو باعث تشویش ہے، دنیا کو اس بات کا احساس کرنا چاہیے کہ جنسی تفریق انسانی سماج کے لیے مستقل خطرہ ہے اسے رد کر کے خواتین کو ان کے انسانی حیثیت کے مطابق سلوک اور درجہ دینا لازمی ہے۔ خواتین کو بطور انسان مردوں کی طرح اپنے خیالات کے اظہار سمیت ہر طرح کے کام اور روزگار میں آزادی ملنی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ تشدد کی کئی قسمیں ہیں ان سب کا خاتمہ ممکن بنانے کے لیے قانون سازی کرنے کی ضرورت ہے۔

ملتان پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سپیشل ٹاسک فورس ملتان نے مورخہ 7 دسمبر 2018 کو مقامی آفس میں صنف پر مبنی تشدد کے موضوع پر مشاورتی اجلاس اور ویڈیو نمائش کا اہتمام کیا جس میں انسانی حقوق کے ممبران، اقلیتی وسیاسی نمائندگان، وکلاء اور طلباء نے بڑی تعداد میں شرکت کی جبکہ صدارت کونسل ممبر HRCP نذیر احمد نے کی۔

شرکاء نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ صنفی بنیادوں پر ہونے والے تشدد کو روکنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ خواتین کے تحفظ کے لئے قوانین بھی بنائے گئے ہیں مگر اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا اور اسی لئے ان واقعات میں کمی ہونے کی بجائے اس میں مزید اضافہ ہو رہا ہے جس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ خواتین اپنے حقوق کے تحفظ سے متعلق آگاہ نہیں ہیں ریاست کے ساتھ ساتھ سماجی کارکنوں کو بھی اس بارے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ غیر محفوظ اور پسماندہ خواتین اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے رسائی حاصل کر سکیں۔

وومن رائیٹس آرگنائزیشن ملتان کی چیئرپرسن میڈم شائستہ بخاری نے کہا کہ جنسی ہراسمنٹ کے زیادہ تر کیسز رپورٹ نہیں ہوتے۔ ملتان کی زکریا یونیورسٹی میں ایسی کئی طالبات جو اپنے اساتذہ کے ہاتھوں جنسی طور پر تشدد کا نشانہ بنی ہیں ان میں صرف ایک طالبہ مرجان کا کیس سامنے آیا ہے مگر اسے بھی کیس واپس لینے کے لئے جان سے مار دینے کی دھمکیاں مل رہی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری ریاست خواتین کو تحفظ دینے میں ناکام ہو چکی ہے۔ زہرہ سجاد زیدی نے بات چیت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ جنسی زیادتی یا ہراسمنٹ کا نشانہ زیادہ تر خواتین ٹیچر یا طالبات بنتی ہیں لیکن بدقسمتی سے وہ اپنے ساتھ ہونے والے اس تشدد کے بارے میں کسی سے بات چیت نہیں کر پاتیں کیونکہ ان کو خوف ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی کے سامنے ذکر کریں گی تو اس سے ان کے ساتھ ساتھ خاندان کی بھی بدنامی ہوگی۔

> دنیا کے بیشتر ممالک میں خواتین کو کوئی طرح کے پرتشدد حالات اور امتیازی سلوک کا سامنا ہے جو باعث تشویش امر ہے۔

نذیر احمد کونسل ممبر HRCP نے کہا کہ خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے قوانین تو بن چکے ہیں مگر ان پر عمل درآمد ہوتا نظر نہیں آتا۔ ہماری ریاست کو چاہیے کہ ان قوانین کی آگاہی مہم چلائے۔

پروگرام کے آخر میں HRCP کی طرف سے پاکستان میں خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد کے مسئلہ کو اجاگر کرنے کے لئے کھوٹے تھیٹر کی جانب سے پرفارم کئے گئے ایک کھیل" وجودِ زن" اور آمنہ معاذ کی دو ڈانس پرفارمنس کشور ناہید کی نظم ہم گناہ گار عورتیں پر مبنی تھیں شرکاء کو بذریعہ وڈیو نمائش دیکھائی گئیں جس کو شرکاء نے بہت پسند کیا۔

حیدر آباد خواتین شکایات سیل حیدرآباد کی انچارج قرۃ العین شاہ نے کہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں خواتین کو جسمانی اور زبانی تشدد سے زیادہ آنکھوں سے ہراساں کرنے کا سامنا ہے جو عورتیں کسی مجبوری کے تحت گھروں سے نکلتی ہیں انہیں گھر والی گلی سے لے کر کام والی جگہ تک گھورنے کا عذاب بھگتنا پڑتا ہے اور وہ یہ بات کسی سے شیئر بھی نہیں کر سکتیں۔ انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کے تحت حیدرآباد پریس کلب ہال میں خواتین پر تشدد کی روک تھام کے حوالے سے منعقدہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس کا بنیادی سبب گھر میں دی جانے والی تربیت ہے جہاں پیدا ہوتے ہی لڑکی کو کمزور ہونے کا احساس دلایا جاتا ہے۔ اس لیے سماجی تبدیلی کے لیے سرکاری سطح پر کاؤنسلنگ سینٹر قائم ہونے چاہئیں جہاں خواتین اور مردوں کی صنفی مساوات کے حوالے سے ذہن سازی کی جا سکے۔ نامور شاعرہ زاہدہ ابڑو نے کہا کہ جہاں خواتین تشدد اور سماجی رویوں سے متاثر ہیں وہاں مردوں کو بھی اس کا سامنا ہے۔ ایچ آر سی پی انچارج غفرانہ آرائیں نے کہا کہ خواتین کو انسان سمجھنے کے بجائے، صنفی امتیاز کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہیں مساوی حقوق نہیں دیئے جاتے۔ اس موقع پر لالہ عبدالحلیم شیخ، ایم پرکاش ایڈووکیٹ، امجد پلیجو ایڈووکیٹ، اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔

اسلام آباد پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے اسلام آباد دفتر نے صنف کی بنیاد پر تشدد کے موضوع پر ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں 'وجود زن' کے عنوان پر تھیٹر پرفارمنس اور ملک کی معروف ترقی پسند شاعرہ کشور ناہید کی نظم پر رقص پرفارمنس کی ویڈیو کی سکریننگ کی گئی۔ شرکاء میں نسرین اظہر، آئی اے رحمان،، فاطمہ عاطف اور انمبرین عجائب کے علاوہ دیگر دانشور اور انسانی حقوق کے محافظ شامل تھے۔ تقریب کے شرکاء نے خواتین کے حقوق کے کارکنوں کے خلاف بڑھتی ہوئی عدم برداشت اور دھونس و دھمکیوں پر تحفظات کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ نوجوان عورتوں کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ اگر ان کے کردار، صنف، ذات اور خاندان پر حملے ہوں تو ان حملوں کا دفاع کیسے کرنا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ عورتوں کے حقوق پر کام کرنے والے لوگوں کو کئی ایسے ہی حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر اس کے علاوہ انہیں صنف کی بنیاد پر بھی حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسے کہ ریپ، صنف کی بنیاد پر دیگر حملے جیسے کہ ہراسانی، بدکلامی، کردار کشی، آن لائن ہراسانی، ریاستی اہلکاروں کے حملے اور اپنے رشتہ داروں، کمیونٹی اور جرگوں اور پنچائیتوں کے حملے۔

عورتوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں کے خلاف زیادتیوں میں اضافے کی کئی وجوہات ہیں جن میں ایسے واقعات کا رپورٹ، قلمبند اور تحقیقات نہ ہونا، انصاف تک رسائی نہ ہونا، سماجی رکاوٹیں اور صنف کی بنیاد پر تشدد کے ازالے میں درپیش مشکلات، خواتین کارکنوں کے جائز کردار کو تسلیم کرنے سے انکار شامل ہیں، اور یہ سب وجوہات صنفی امتیاز کو اور زیادہ مستحکم اور منظم کر رہی ہیں۔

بچے

16 ماہ کی بچی پولیو وائرس کا شکار

لکی مروت خیبر پختونخوا میں ایک پولیو کا کیس منظر عام پر آیا اور ضلع لکی مروت کی 16 ماہ کی بچی میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوئی ہے۔محکمہ صحت کے اہلکاروں کے مطابق یہ 2018 میں سامنے آنے والا نواں کیس تھا جو ضلع لکی مروت کے علاقے مرمندو اعظم میں رپورٹ ہوا۔پولیو ایمرجنسی آپریشن سینٹر کے ایک اہلکار کے مطابق بچی کے نمونے دسمبر 2018 میں لیے گئے تھے لہٰذا یہ کیس گزشتہ سال کا تصور کیا جائے گا۔انہوں نے بتایا کہ بچی میں گزشتہ 10 دسمبر کو پولیو کی علامات ظاہر ہونا شروع ہوئیں جس کے بعد مرض کی تصدیق کے لیے حکام نے اس کے نمونے فوری طور پر نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ہیلتھ کو بھیجے۔اہلکار نے کہا کہ انسٹیٹیوٹ نے آج اپنی رپورٹ میں تصدیق کی کہ بچی پولیو وائرس کا شکار ہے۔یاد رہے کہ اس سے قبل لکی مروت میں پولیو کا آخری کیس ستمبر 2017 میں رپورٹ ہوا جب 2 سالہ تاجہ زئی میں وائرس کی تصدیق ہوئی تھی۔ (بشکریہ:ڈان)

بچے کو جنسی استحصال کا نشانہ بنانے والا شخص گرفتار

نوشہرہ 10 جنوری 2019ء کو نوشہرہ کینٹ اور مصری بانڈہ میں بچوں سے بدفعلی کرنے والے 2 ملزمان گرفتار کر لئے گئے ملزمان نے اعتراف جرم بھی کر لیا، گزشتہ روز ابراہیم ولد غلام حبیب ساکن نوشہرہ کلاں حال حکیم آباد نے نوشہرہ کینٹ پولیس کو رپورٹ درج کراتے ہوئے کہا کہ میں نوشہرہ کینٹ میں مچھلی فروخت کرتا ہوں، معمول کے مطابق نوشہرہ کینٹ میں موجود تھا کہ گھر سے اطلاع ملی کہ گھر آجاؤ، گھر آ کر معلوم ہوا کہ میرے بیٹے یوسف جس کی عمر 3 سال ہے رو کر مجھے بتایا کہ میں گلی میں کھیل رہا تھا کہ جلال مجھے لے کر رکشہ میں لے گیا اور میرے ساتھ بدفعلی کی۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے بچے کو میڈیکل چیک کیلئے ہسپتال بھجوا دیا، جبکہ اے ایس پی کینٹ تصور اقبال نے ملزم کی گرفتاری کیلئے ٹیمیں تشکیل دیکر فوری طور پر ملزم کی گرفتاری یقینی بنانے کی کوشش شروع کر دی، پولیس نے چند گھنٹوں کے اندر اندر ملزم جلال ولد منصف علی ساکن کوہاٹ حال حکیم آباد کو گرفتار کر کے تفتیش کیلئے تھانہ نوشہرہ کینٹ منتقل کر دیا۔

(روزنامہ آج/ایکسپریس)

غذائی قلت اور وائرل انفکیشن سے مزید 8 بچے جاں بحق

تھر سندھ کے ضلع تھرپارکر میں غذائی قلت اور وائرل انفیکشن کے نتیجے میں 48 گھنٹوں کے دوران کم از کم 8 نوزائیدہ بچے جاں بحق ہو گئے۔تمام بچوں کو دور دراز علاقوں سے مٹھی کے سول اسپتال میں علاج کے لیے لایا گیا جہاں وہ جاں بر نہ ہو سکے۔اسپتال کے ڈی ایچ او نے بتایا کہ صرف مٹھی سول اسپتال میں غذائی قلت اور وائرل انفیکشن کے نتیجے میں گزشتہ 12 مہینوں کے دوران بچوں کی ہلاکتوں کی تعداد 561 تک پہنچ چکی ہے۔متاثرہ بچوں کے والدین نے شکایت کی کہ ہسپتال میں موجود طبی عملے کا رویہ مایوس کن ہے اور ہسپتال انتظامیہ نے ایک مرتبہ پھر بیمار بچوں کو حیدرآباد اور کراچی کے ٹیچنگ ہسپتال میں منتقل کرنے کے لیے فری ایمبولینس سروس سے انکار کر دیا۔دوسری جانب عوامی تحریک کے ارکان نے ضلع تھرپارکر میں غذائی قلت اور وائرل انفیکشن سے جاں بحق ہونے والے بچوں سے متعلق احتجاجی مظاہرہ کیا۔واضح رہے کہ تھر کے مختلف علاقوں سے تقریباً 50 نوزائیدہ بچے ہسپتال میں لائے گئے۔عوامی تحریک کے رہنماؤں اور ارکان نے مقامی صحافیوں کو بتایا کہ سندھ حکومت تھر میں انسانی بحران کی ذمہ دار ہے۔انہوں نے الزام لگایا کہ حکومت مستقل حل پیش کرنے سے قاصر ہے۔ان کا کہنا تھا کہ صرف گندم کی تقسیم سے تھری عوام کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔خیال رہے کہ سپریم کورٹ کی جانب سے گزشتہ سال اپریل میں مٹھی میں 5 بچوں کی ہلاکت پر از خود نوٹس کے بعد محکمہ صحت کے مقامی عہدیداروں کو اس حوالے سے میڈیا کو تفصیلات جاری نہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔تھر میں بچوں کی صحت اور غذا کے حوالے سے کام کرنے والی تنظیم ہینڈز کے سربراہ ڈاکٹر شیخ تنویر احمد سمیت ماہرین صحت اور بچوں کے ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ تھر میں کم عمری میں شادی، بچوں کی غذائی قلت، غربت اور دیگر مسائل نوزائیدہ بچوں کی ہلاکت کے اسباب ہیں۔

(بشکریہ:ڈان)

5 سال کے دوران 3 سو سے زائد بچوں کا ریپ

اسلام آباد پولیس نے سینیٹ کی خصوصی کمیٹی کو بتایا ہے کہ گزشتہ 5 سال کے دوران وفاقی دارالحکومت میں بچوں کے ساتھ ریپ کے 300 سو سے زائد واقعات رپورٹ ہوئے جبکہ اس عرصے میں 260 ایسے واقعات رپورٹ نہیں کروائے گئے۔بچوں سے زیادتی کی روک تھام سے متعلق سینیٹ کی خصوصی کمیٹی کا اجلاس چیئرپرسن نزہت صادق کی صدارت میں ہوا۔کمیٹی نے ایک مرتبہ پھر وزیر انسانی حقوق شیریں مزاری کی اجلاس میں عدم شرکت پر برہمی کا اظہار کیا۔کمیٹی کی چیئرپرسن نزہت صادق کا کہنا تھا کہ شیریں مزاری کو اجلاس میں شرکت کرنی چاہیے تھی، بچوں سے زیادتی کے بڑھتے ہوئے واقعات کا معاملہ انتہائی اہم ہے۔ان کا کہنا تھا کہ گزشتہ اجلاس میں بھی وزیر انسانی حقوق نے شرکت نہیں کی تھی، وزیر انسانی حقوق کا یہ انتہائی غیر سنجیدہ رویہ ہے۔اس موقع پر وزارت انسانی حقوق کے حکام نے کمیٹی کو بتایا کہ وزیر انسانی حقوق وزیر اعظم ہاؤس میں موجود ہیں، وزیر انسانی حقوق کی اجلاس میں شرکت سے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔اجلاس کے دوران اسلام آباد پولیس کے حکام نے کمیٹی کو بتایا کہ گزشتہ 5 سال میں اسلام آباد میں 300 بچوں کے ساتھ ریپ کے واقعات پیش آئے، ان برسوں میں بچوں سے ریپ کے 260 واقعات رجسٹر ہی نہیں ہوئے۔ان کا کہنا تھا کہ اسلام آباد سے 2016 میں 2 بچیاں لاپتہ ہوئیں جن کا تاحال پتہ نہیں چل سکا، سڑکوں پر بھیک مانگنے والے 1400 سو سے زائد بچوں کو محفوظ مقامات پر اپنی نگرانی میں رکھا گیا لیکن وہ لوگ کچھ عرصے بعد پھر سڑکوں پر آ کے بھیک مانگنا شروع ہو گئے۔کمیٹی نے بچوں سے ریپ کے واقعات میں اضافے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وفاق اور صوبوں کے درمیاں روابط کی کمی ہے۔کمیٹی کے رکن مشتاق احمد نے کہا کہ خیبر پختونخوا میں بچوں کا جیل بنا ہوا ہے لیکن بچوں کو ان کے لیے قائم جیل میں نہیں رکھا جاتا اور حکومت خود کہہ رہی ہے کہ ڈھائی کروڑ بچے اسکولوں سے باہر ہیں جبکہ یہ بچے محفوظ نہیں ہیں۔وزارت انسانی حقوق کے حکام نے کمیٹی کو بتایا کہ چائلڈ پروٹیکشن سے متعلق 80 سے زائد قوانین موجود ہیں، بچوں سے زیادتی کی روک تھام سے متعلق اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ اس حوالے سے صوبے تعاون نہیں کر رہے، اس اہم معاملے پر صوبوں کو خط لکھے گئے لیکن ایک صوبے نے بھی جواب نہیں دیا۔سینیٹ کمیٹی نے بچوں سے ریپ کے معاملے کو وزیر اعظم کے سامنے اٹھانے کا فیصلہ کر لیا، کمیٹی کا کہنا تھا کہ بچوں سے ریپ کا معاملہ انتہائی حساس ہے، واقعات کی روک تھام کے لیے وزیر اعظم سے ملاقات کی جائے گی۔کمیٹی کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم کو واقعات کی روک تھام کے لیے درکار اقدامات سے متعلق فوری احکامات جاری کرنے کی درخواست کی جائے گی۔

(بشکریہ:ڈان)

سکولوں میں بچوں کو جنسی استحصال سے تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت پر زور

سکولوں میں زیر تعلیم بچوں کو جنسی استحصال سے تحفظ فراہم کرنے کے حوالے سے آ گہی پروگرام منعقد کئے گئے

لاہور ایچ آر سی پی نے 20 نومبر کو بچوں کے عالمی دن کے موقع پر ”سکولوں میں جنسی زیادتی کے حوالے سے آ گہی پروگرام“ کے عنوان سے ایک مشاورت کا اہتما کیا۔ پروگرام میں اساتذہ، سکول انتظامیہ، طالب علم اور بچوں کی امداد کرنے والا سرکاری ادارہ چلڈرن پروٹیکشن بیورو کے اہلکار نے شرکت کی۔ شرکاء نے بچوں کے خلاف جنسی ہراسا اور زیادتی کو روکنے کے لیے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کیں۔

1۔ جنسی ہراسانی سے متعلق بچوں کی تعلیم کا سلسلہ گھر سے شروع ہونا چاہیے۔

2۔ بچوں اور اساتذہ/ والدین کے مابین دوستانہ اور خوشگوار ماحول کو یقینی بنایا جائے تا کہ وہ اپنے مسائل بلا جھجک بتا سکیں۔

3۔ والدین بچوں کی ذمہ داری لیں اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو بھی اپنی اولین ترجیح سمجھیں۔

4۔ سکولوں میں اس قسم کا ماحول بنایا جائے کہ بچوں کو اپنی شکایت درج کرواتے ہوئے کوئی دشواری پیش نہ ہو اور ان کی رازداری کو یقینی بنایا جائے۔

5۔ سکولز میں جنسی ہراسانی سے متعلق بنیادی معلومات کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

6۔ اساتذہ کو جنسی ہراسانی سے متعلق تعلیم دینے کے لیے سپیشل ٹریننگ دی جائے۔

پشاور آر سی پی پشاور نے 20 نومبر 2018 کو منایا۔ پروگرام کا آغاز تعارف سے ہوا جس کے بعد ڈاکٹر سرفراز نے بچوں کے عالمی دن کے حوالے سے گفتگو کا آغاز کیا۔ انہوں نے بچوں کے حقوق پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا نصاب میں بچوں کے حقوق کے حوالے سے کچھ تعلیمی مواد شامل ہے۔ ان کے نزدیک اگر پرائمری اور مڈل تعلیم دینے والے اساتذہ زیادہ تر خواتین ہوں تو بچوں کے ساتھ زیادتی اور ہراسانی کے واقعات کو کافی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔

مہمند ایجنسی سے تشریف لانے والی خاتون نے اپنے تجربات سے آ گاہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح تربیت کریں اور انہیں کسی بھی مسئلے سے نبٹنے کے لیے تیار کریں۔ عائشہ حسن (ٹی کیو کے آرگنائزیشن) نے بتایا کہ ہراسانی کے زیادہ تر واقعات رپورٹ ہی نہیں ہوتے۔

خواتین کا کہنا تھا کہ ہمیں حکومت کی طرف سے بچوں کے حقوق اور بچوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی دونوں حوالوں سے کوئی مدد نہیں مل رہی۔ لیکن ہم پھر بھی تیار ہیں اور بچوں کو اپنی مدد آپ کے تحت سکھا رہے ہیں۔

نواب خٹک نے کہا کہ آج ہمارے درمیان کوئی بھی حکومتی نمائندہ موجود نہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ کوئی سنجیدہ مسئلہ نہیں۔

شرکا نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کم از کم پرائمری سکول میں بچوں کے ساتھ زیادتی اور ہراسانی کے بارے میں تعلیم دی جائے۔

> بچوں کو اپنا تحفظ خود کرنے کے قابل بنانے میں اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

کوئٹہ 20 نومبر 2018 کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق بلوچستان چیپٹر کے زیر اہتمام ایک آ گہی پروگرام کا انعقاد ہوا جس کا عنوان تھا "بچوں کے ساتھ اسکولوں میں جنسی زیادتی" پروگرام میں کوئٹہ کے مختلف اسکولوں کے بچوں، اساتذہ، انسانی حقوق کے کارکنوں، صحافیوں، اور وکلاء نے شرکت کی۔ پروگرام کی صدارت ایچ آر سی پی بلوچستان چیپٹر کے وائس چیئرپرسن حبیب طاہر ایڈوکیٹ نے کی۔

حبیب طاہر ایڈوکیٹ نے کہا کہ بچوں کا جنسی استحصال گو کہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن آج کل جس تواتر سے اس فعل سے متعلق خبریں گردش میں ہیں یہ ضرور لمحہ فکریہ ہے۔ خاص طور پہ اس صورت میں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پہ بات کرنے سے ہمیشہ گریزاں کا رویہ اپنایا گیا ہے۔ خود والدین اور بچوں کے مابین غیر ضروری جھجک اور شرم بھی اس کی اہم وجہ ہے۔ لیکن یہی عدم واقفیت بچوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں ہر دس میں سے ایک لڑکی جنسی استحصال کا شکار ہوتی ہے، لڑکوں میں اس کی تعداد لڑکیوں کے مقابلے میں قدرے کم ہے۔ پاکستان میں یہ اعداد وشمار اس لیے بھی گمبھیر ہیں کہ یہاں رپورٹ کیے گئے واقعات کی تعداد ان کی اصل تعداد سے کہیں کم ہے۔ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی، جنسی حملے، جنسی ہراسانی اور جنسی عمل کی ترغیب دینے کے لیے اشارے کرنا جنسی استحصال میں شامل ہیں۔ بعض اوقات یہ ذلیل اور ناشائستہ حرکات بدترین جنسی استحصال پر منتج ہوتی ہیں اور بچے ناچاہتے ہوئے بھی اس عمل کا حصہ بننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بچوں میں نفسیاتی، جسمانی عوارض کا پیدا ہوجانا، ان کی ذہنی صلاحیتوں کا مفلوج ہوجانا بچوں میں جنسی استحصال کے بعد پیدا ہونے والے عام اثرات ہیں جب کہ انتہائی صورتوں میں بچے اپنی جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ بچوں کی تربیت اور ان کو پروان چڑھانا محض یہی نہیں کہ ان کے لیے اچھی خوراک اور لباس فراہم کیا جائے یا کسی اچھے تعلیمی ادارے میں داخل کروادیا جائے، بلکہ ان کی ہر آن تربیت اور تحفظ بھی والدین کی اولین ذمہ داری ہے۔ بچوں کے جنسی استحصال میں خاموشی اہم کردار ادا کرتی ہے جس کے پیچھے بھی کئی ایک عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ بالخصوص خوف ایک ایسا عنصر ہے جو بچوں کو زبان بندی پر مجبور کیے رکھتا ہے۔

قمرالنساء:۔ بچوں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنانا ان کے جنسی استحصال کی انتہائی صورت ہے۔ عموماً وہ والدین جو بچوں کو اپنے ہی گھر میں اکیلا یا ملازمین کے پاس چھوڑ کر، یا کسی رشتے دار یا پڑوسی کے گھر چھوڑ کر جانے کے عادی ہوتے ہیں ان کو انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اقامت گاہوں میں مقیم اور مدرسوں میں زیر تعلیم طلبا کی بڑی تعداد بھی مدرسین اور ساتھی طلباء کے ہاتھوں ریپ کا نشانہ بنتی ہے۔ اس مذموم حرکت کے اثرات بہت خوفناک ہوتے ہیں، مجرم اس صورت حال کے بعد راز کھلنے کے خوف سے بچوں کے قتل سے بھی گریز نہیں کرتے۔ عادی مجرم بعض اوقات بچوں کو ڈرانے دھمکانے اور اپنے مطالبات منوانے کے لیے ان کی ناشائستہ تصاویر یا ویڈیوز بنا لیتے ہیں۔

کمل کمار:۔ بچوں کا جنسی استحصال ایک عام برائی ہے جسے تسلیم کرنے سے اکثر انکار کیا جاتا ہے کیوں کہ زیادہ تر متاثرین یا تو خاموشی اختیار کر لیتے ہیں یا پھر جنسی استحصال کی مختلف صورتوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر کلیم اللہ:۔ اگر خدانخواستہ کسی کے بچے کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آجائے تو وہ پہلے 24 گھنٹوں کے اندر اندر مقامی سرکاری ہسپتال سے میڈیکل کروا کر رپورٹ لے لیں کیونکہ 24 گھنٹوں کے بعد کروائی جانے والی رپورٹ کا نتیجہ مثبت نہیں آئے گا اور یہ ثابت نہیں ہوسکے گا کہ بچے یا بچی کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا یا نہیں۔ عدالت میڈیکل رپورٹ کو دیکھتی ہے۔

گلگت پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق گلگت بلتستان

کے زیر اہتمام 20 نومبر 2018 کو بچوں کے عالمی دن کی مناسبت سے ''سکولوں میں جنسی زیادتی کے واقعات کے تدارک اور آگاہی'' کے موضوع پر ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں مختلف سکولوں کے بچوں اور اساتذہ کے علاوہ بچوں کے حقوق پر کام کرنے والے سرکاری وغیر سرکاری اداروں کے ذمہ داروں اور سماجی کارکنوں نے شرکت کی۔ سیمینار کے اختتام پر اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی۔ جس میں سیمینار کے شرکاء نے مطالبہ کیا کہ

☆ بچوں کے ساتھ پیش آنے والے جنسی زیادتی کے واقعات کے تدارک کے لیے حکومت گلگت بلتستان واضح پالیسی مرتب کرے۔

☆ تمام سرکاری وغیر سرکاری تعلیمی اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ سکولوں کی سطح پر جنسی زیادتی کے واقعات کی روک تھام کے لیے کمیٹیاں قائم کریں۔ نیز ان تمام سکولوں کو پابند کیا جائے کہ وہ بچوں کو ایسے واقعات سے بچنے اور اپنے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے تعلیمی سال کے آغاز کے ساتھ ہی آگاہی اور تربیتی پروگرامز کا انعقاد کریں۔

☆ گلگت بلتستان میں بچوں کے ساتھ پیش آنے والے جنسی زیادتی کے واقعات کی شکایات کے اندراج اور اعداد وشمار جمع کرنے کے لیے خصوصی سیل قائم کیا جائے۔ نیز اعداد وشمار کی معلومات کے لیے وقتاً فوقتاً سروے کرائے جائیں۔

☆ گلگت بلتستان میں بچوں کے حقوق کے لیے قائم سرکاری ادارے کی مزید فعالیت کے لیے اقدامات اٹھائے جائیں۔

☆ بچوں کے ساتھ پیش آنے والے جنسی زیادتی کے واقعات کے خاتمے کے لیے خصوصی قانون سازی کی جائے۔

☆ بے سہارا، یتیم، سکولوں سے باہر اور بھیک مانگنے والے بچوں کی دیکھ بھال اور کفالت کے لیے ادارہ بنایا جائے یا خصوصی فنڈ قائم کر کے ان اداروں کی مدد کی جائے جو ان امور پر گلگت بلتستان میں پہلے سے کام کرتے ہیں۔

☆ گلگت بلتستان میں گھریلو تشدد، جنسی تشدد، دہشت گردی، قدرتی آفات اور سکولوں میں ہونے والے تشدد سے متاثر ہونے والے بچوں کے نفسیاتی علاج کے ذریعے ان کو مفید شہری بنانے کے لیے خصوصی سینٹر قائم کر کے اس میں نفسیات کے ڈاکٹر اور ماہرین نفسیات تعینات کیے جائیں۔

☆ بچوں کو منشیات، غیر اخلاقی فلموں، غیر اخلاقی ویڈیوز، موبائل فون، ہتھیاروں اور غیر محفوظ انٹرنیٹ سینٹرز تک رسائی کو روکنے کے لیے اقدامات اٹھائے جائیں۔

☆ بچوں کے جنسی زیادتی کے بڑھتے ہوئے واقعات کی روک تھام اور بچوں کے تحفظ اور بہتر نگرانی کے لیے سکولوں کی مدد سے والدین کو آگاہی دی جائے۔

☆ گلگت بلتستان کے تمام تعلیمی اداروں، اکیڈمیز اور ٹیوشن سینٹرز کو پابند کیا جائے کہ وہ کلاس روم، بچوں کے استعمال کے واش رومز، اور کھیل کے میدانوں میں بچوں کی سرگرمیوں پر خصوصی نظر رکھیں اور واش رومز کے علاوہ دیگر مقامات میں خفیہ کیمرے نصب کر کے غیر اخلاقی سرگرمیوں کی نشاندہی کر کے ان کے تدارک کے لیے اقدامات اٹھائے جائیں۔

ملتان 20 نومبر 2018 کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی ملتان ٹاسک فورس آفس میں بچوں کے عالمی دن کے موقع پر بچوں سے سکولوں میں جنسی زیادتی کے حوالے سے آگاہی سے متعلق سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت کونسل ممبر HRCP نذیر احمد نے کی۔ سیمینار میں مختلف سکولوں کے اساتذہ، والدین، وکلاء، سول سوسائٹی کے عہدیداران اور انسانی حقوق کے ممبران نے شرکت کی۔

> بچوں کے ساتھ پیش آنے والے جنسی زیادتی کے واقعات کے خاتمے کے لیے خصوصی قانون سازی کی جائے۔

فیصل محمود کوآرڈینیٹر ملتان ٹاسک فورس نے کہا کہ بچوں سے جنسی زیادتی میں اضافہ ہمارے لئے انتہائی تشویش کا باعث ہے۔

محمد بلال پرنسپل بریٹین انٹرنیشنل سکول نے کہا کہ ہمارے ہاں پرائیوٹ سکولز سسٹم میں بچے کی رپورٹ ڈائری پر بچے کے بارے میں اس کے والدین کو کوئی نوٹ لکھ کر بھیجتے ہیں تو اس کا جواب کئی کئی دن تک نہیں آتا چونکہ والدین اپنے بچوں کی ڈائریاں تک چیک نہیں کرتے، اس طرح والدین کے غیر ذمہ درانہ رویے یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو سکول بھیج کر اپنی ذمہ داریوں سے خود کو آزاد کر لیتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ بچے جنسی تشدد کا نشانہ سکول میں نہیں بنتا بلکہ زیادہ تر بچے اپنے نوکروں اور ڈرائیوروں اور بہت قریبی رشتہ داروں کے ہاتھوں جنسی تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔

انیلہ اشرف لیڈی رپورٹر روزنامہ دنیا نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ بدقسمتی سے ایسے موضوع پر کوئی بھی والدین اپنے بچوں سے بات چیت نہیں کرنا چاہتے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ فحاشی وعریانی پھیلانے والی بات ہے یا ان کے خیال میں ہوتا ہے ان کے بچے کہیں اس کا غلط مطلب سمجھ کر بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائیں۔

نوشین خان بلوچ نے کہا کہ ان کی بیٹی جو ساتویں جماعت کی طالبہ ہے کے ساتھ سکول کے چوکیدار نے جنسی طور پر ہراساں کرنے کی کوشش کی جس پر اس نے شور وویلا کیا تو سکول کے باقی عملہ نے اس چوکیدار کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ چونکہ انہوں نے اپنی بیٹی کو بتایا ہوا تھا کہ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آئے تو فوراً شور مچا دیا کرو۔ لہذا اس فورم میں بیٹھے ہوتے تمام ساتھیوں سے بھی یہی گزارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ ایسے معاملات سے ضرور آگاہی دیا کریں تا کہ وہ اپنا تحفظ کر سکیں۔

نذیر احمد کونسل ممبر ایچ آر سی پی نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان نے 1990 میں بچوں کے حقوق کے معاہدہ (سی آر سی) پر دستخط کئے۔ اس لیے ہماری ریاست پابند ہے کہ بچوں کو ان کے بنیادی حقوق فراہم کرے اور ان حقوق کا تحفظ بھی کرے۔

اسلام آباد پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے 20 نومبر کو بچوں کے حقوق کے عالمی دن کے موقع پر سکولوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی روک تھام کے لیے ایک سیمینار کا اہتمام کیا۔ اس تقریب کا مقصد اس اہم معاملے پر سکولوں کے اساتذہ، بچوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان کے ساتھ ایک بامعنی گفت وشنید کرنا تھا۔

انسانی حقوق کے کارکن حسیب خواجہ نے کہا کہ سکول کے باہر ایک خودمختار فرد تعینات ہو تا کہ جنسی امتیاز کے کسی واقعے کی صورت میں بچے اور والدین اس سے رابطہ کر سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس حوالے سے پولیس قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ اسے رشوت دے کر حقائق کو مسخ کیا جا سکتا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ جو بندہ سکول میں بچے کے جنسی استحصال میں ایک بار ملازمت سے برخاست کر دیا جائے تو اسے دوبارہ تعلیمی نظام میں جگہ نہیں ملنی چاہیے۔ اس کے علاوہ، اساتذہ کو جنسی زیادتی کی روک تھام پر تربیت دی جائے اور یہ موضوع 6 سے 18 برس کے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

انسانی حقوق کی کارکن ثمینہ سردار کا کہنا تھا کہ بچوں کو اپنا تحفظ خود کرنے کے قابل بنانے میں اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ایسی تمام جگہوں پر جہاں بچے پڑھنے اور کھیلنے آتے ہیں، حفاظتی پالیسیوں کی تشکیل اور نفاذ لازمی قرار دیا جائے۔ عالیہ سید نے کہا کہ بچوں کے تحفظ کے لیے قانون سازی اور اس پر عملدرآمد ضروری ہے۔ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی روک تھام میں سکول اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

صحت

ڈاکٹر کی عدم موجودگی سے مریضہ جاں بحق

بنوں یکم جنوری 2019ء کو ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال کی انتہائی نگہداشت وارڈ میں ڈاکٹر کی مبینہ غفلت سے خاتون دم توڑ گئی۔علاقہ فاطمہ خیل کے رہائشی روخنیاز شاہ کی زوجہ کو دل کا دورہ پڑنے پر ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ لایا گیا جنہیں فوری انتہائی نگہداشت وارڈ منتقل کیا گیا جہاں 24 گھنٹے ڈاکٹر کی موجودگی انتہائی ضروری ہوتی ہے، روخنیاز شاہ کا کہنا تھا کہ یہاں الٹی گنگا بہتی ہے جو انتہائی حساس مریض ہوتے ہیں انہیں اللہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور پرائیویٹ کلینکس کو کمائی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔مرحومہ کے لواحقین نے انتہائی غم وغصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر انصاف کی حکومت نے ایسی تبدیلی لانی تھی تو ہمیں ایسی تبدیلی ہرگز نہیں چاہیے۔صوبائی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ بنوں کے غریب عوام کیلئے بہتر صحت کی سہولیات فراہم کی جائیں اور ہسپتال میں سنیئر ڈاکٹروں کو ڈیوٹی کا پابند بنایا جائے۔

(روزنامہ ایکسپریس)

والدین کا انکار پاکستان میں پولیو کے خاتمے میں اہم چیلنج ہے، ڈبلیو ایچ او

اسلام آباد اسلام آباد: عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر ٹیڈروس ایڈہانوم گھیبر یسس نے کہا ہے کہ پاکستان میں پولیو کے خاتمے میں لاپتہ بچے اور والدین کی جانب سے انکار کلیدی چیلنجز ہیں۔ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق ڈبلیو ایچ او ہیڈ آفس میں ایک پریس کانفرنس کے دوران ان کا کہنا تھا کہ 'پاکستان کو افغانستان سے اس خطرناک وائرس کی منتقلی روکنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارا نئے سال کا عزم ہے کہ 2019 کے اختتام تک پولیو 'صفر' ہو'۔انہوں نے کہا کہ پاکستان کے بچے اور دنیا کے بچوں میں کوئی کمی نہیں ہے، تاہم پولیو کے خاتمے میں ناکامی کا نتیجہ عالمی سطح پر بیماری کے پھیلاؤ کے طور پر نکلتا ہے اور ہر سال دنیا بھر میں 2 لاکھ سے زائد نئے کیسز آتے ہیں۔اپنے دورے کے دوران انہوں نے صدر مملکت ڈاکٹر عارف علوی، وزیراعظم عمران خان، نیشنل ہیلتھ سروسز (این ایچ ایس) کے وزیر عامر محمود کیانی، وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی، وزیر خزانہ اسد عمر، وزیر منصوبہ بندی، ترقی و اصلاحات مخدوم خسرو بختیار اور انسانی حقوق کی وزیر شیریں مزاری سے ملاقاتیں کیں۔انہوں نے وزیراعظم عمران خان کے ہسپتال کے دورے اور صحت کے بجٹ کو دگنا کرنے کے حکومتی فیصلے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ 'یہ دیکھ کر خوش' ہوئے کہ صحت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے سیاسی عزم موجود ہے۔خیال رہے کہ اس وقت جی ڈی پی کا 0.9 فیصد صحت کے لیے مختص ہے، جسے 5 سال میں 5 فیصد تک بڑھایا جائے گا۔ڈی جی ڈبلیو ایچ او نے حکومت کی جانب سے سگریٹ اور میٹھے مشروبات پر 'گناہ' ٹیکس نافذ کرنے کے فیصلے کی بھی تعریف کی۔انہوں نے کہا کہ ''بنیادی صحت کی دیکھ بھال میں بڑی سرمایہ کاری کرنی چاہیے''، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس معاملے میں حکومتی منصوبہ بندی پائیدار ترقی کے مقاصد کے مطابق ہے''۔ڈاکٹر ٹیڈروس ایڈہانوم نے مزید کہا کہ ''خاندانی منصوبہ بندی اور 40 فیصد بچوں کی خوراک ایک بہت اہم مسئلہ ہے، بچے کے ابتدائی 1000 روز بہت اہم ہیں اور پالیسیوں میں اس پر توجہ دینی چاہیے''۔انہوں نے کہا کہ ڈبلیو ایچ او پاکستان میں غذائی قلت کے اہم مسئلے کو حل کرنے اور وزیراعظم کے نیشنل ہیلتھ پروگرام پر عملدرآمد کے لیے ہر ممکن مدد فراہم کرے گا۔

(بشکریہ: ڈان)

اقلیتیں

احمدیوں کو مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کریں

اسلام آباد جسٹس شوکت صدیقی کے فیصلے کے بعد نادرا نے نئی پالیسی نافذ کردی ہے۔اپنے فیصلے میں جسٹس شوکت صدیقی نے گورنمنٹ کو بتایا کہ قومی شناختی کارڈ حاصل کرنے والے درخواست گزاروں سے ان کی مذہبی شناخت دریافت کی جائے۔نادرا نے یہ پالیسی وفاقی وزارت داخلہ سے منظور کروالی ہے۔اس پالیسی کے تحت دو حلف نامے سامنے آئے ہیں۔ایک مسلمانوں کے لیے اور ایک غیر مسلموں کے لیے اس سے پہلے صرف ایک ہی حلف نامہ ہوتا تھا مسلمانوں کے لیے جس میں خود کو مسلمان ظاہر کرنے والے تمام لوگوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ احمدی کمیونٹی کے بانی کو رد کریں۔اب ایسا ہے کہ وہ جو مسلمانوں کے لیے بنے گئے حلف نامے پر دستخط نہیں کرتا اسے ایک اور حلف نامہ پر دستخط کرنا پڑے گا جس میں وہ خود کو غیر مسلم ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ایمان اور فرقے کو بھی بیان کرے گا۔یہ بتانا کہ ایک فرد کیا نہیں ہے، اپنے آپ میں ایک فالتو اور اضافی چیز ہے جس کا مقصد صرف احمدی کمیونٹی کو ٹھیس پہنچانا ہے۔احمدی اس وجہ سے ایک اہم مسئلہ کا شکار ہو گئے ہیں اور وہ یہ کہ احمدی جو خود کو مسلمان سمجھتے ہیں مگر اب انہیں خود کو غیر مسلم ظاہر کرنا پڑے گا تا کہ وہ قومی شناختی کارڈ حاصل کر سکے یا اس میں تجدید کرا سکے اور یہ باقی قانونی دستاویزات حاصل کرنے کے لیے بھی ضروری ہو گیا ہے۔نادرہ نے قومی شناختی کارڈ کے فارم میں دفعہ 38 متعارف کرائی جس کی رو سے یہ اعلان کرنا پڑتا ہے کہ ''میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ میں مسلمان نہیں اور میرا تعلق احمدی/قادیانی مذہب سے ہے''۔

(نامہ نگار)

احمدی خاتون کی تدفین نہ ہونے دی

میرپور خاص احمدی کمیونٹی اس جگہ عرصہ دراز سے مقامی لوگوں کے ساتھ باہمی ہم آہنگی کے ساتھ رہ رہی ہے۔مولویوں نے یہ سماجی توازن خراب کیا ہے۔جب ماسٹر ریاض کی ہمشیرہ 27 نومبر 2018 کو فوت ہوئی۔اس کی قبر وہی تیار کی گئی جہاں عموماً علاقے کے لوگوں کو دفنایا جاتا ہے۔نماز جنازہ کے دوران ایک شخص وہاں پہنچا اور اس نے مقامی احمدی کمیونٹی کے صدر کو بتایا کہ کچھ اوباش لڑکے شرارت کرنا چاہتے ہیں اور وہ میت کی تدفین میں رکاوٹ پیدا کریں گے۔اس خبر نے خطرے کی گھنٹی بجادی چنانچہ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے بچنے کے لیے احمدیوں نے خاتون کو اپنی نجی ملکیتی زمین میں دفنا دیا۔

(نامہ نگار)

''انسانی حقوق کے عالمی منشور کی 70 ویں سالگرہ : پاکستان اور تیسرا عالمگیر سلسلہ وار جائزہ''

کے عنوان پر لاہور میں آئی۔اے۔رحمٰن پبلک لیکچر کا اہتمام کیا گیا اور دیگر شہروں میں لیکچر کی سکریننگ کی گئی

Human Rights Commission of Pakistan
جہد حق
Monthly JEHD-E-HAQ

گلگت

لاہور

حیدرآباد

اسلام آباد

ملتان

کوئٹہ

تربت

پشاور

ایچ آر سی پی نے صنف کی بنیاد پر تشدد کی روک تھام کے لیے تھیٹر اور رقص پر فارمنس کا اہتمام کیا

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور
Registered No. LRL-15